جولائی ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سیاستِ خلافت ــــ پہلے اور اب

یعنی دورِ خلافتِ راشدہ کے سیاسی نظام اور عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے سیاسی و دستوری ڈھانچے میں فرق و تفاوت ــــ

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

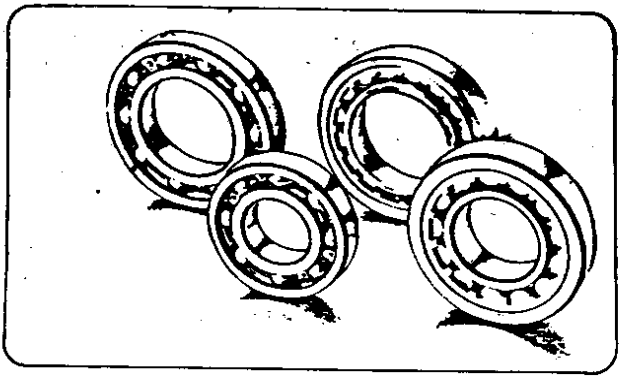

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۱

شمارہ: ۷

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

جولائی ۱۹۹۲ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ - امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ - امریکی ڈالر

شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ - امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

تذکرہ وتبصرہ ——— ۶

ملکی وملی حالات کے بارے میں تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا نقطۂ نظر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات کے آئینے میں

سیاستِ خلافت: پہلے اور اب ——— ۱۱

- اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار
- عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظام خلافت کا دستوری خاکہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مطالباتِ دین ——— ۳۹

فریضۂ اقامتِ دین (۲)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

دعوت وتحریک ——— ۵۸

الاخوان المسلمون (۲)

قاضی ظفر الحق

کتابیات ——— ۶۶

چھٹا کبیرہ: سودی معاملات کرنا

زیرِ طبع کتاب 'کبائر' کے باب دوم کی فصل سادس

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

رفتارِ کار ——— ۷۴

امیر تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورۂ کراچی

افکار وآراء ——— ۷۸

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر محبوب اے خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

ملک خداداد پاکستان کی اندرونی صورت حال دگرگوں اور پریشان کن ہی نہیں انتہائی حیران کن بھی ہے۔ کراچی میں ایم کیو ایم کے مظالم کی داستانیں اور ان کے عقوبت خانوں میں ہونے والے ہولناک تشدد کے واقعات کے منظرعام پر آنے اور الطاف حسین کے چہرے سے اس نقاب کے الٹ جانے کے بعد کہ جس کو سجانے اور آویزاں کرنے میں حکومتِ وقت کی کاوشوں کو بھی بڑا دخل حاصل تھا' ایک عام شہری حیران و پریشان ہے کہ اب کسے رہنما کرے کوئی! ---اس پس منظر میں ملک خداداد پاکستان کے افق پر چھائے ہوئے یاس اور ناامیدی کے بادل مزید گہرے ہوتے جارہے ہیں۔ اور مستقبل قریب کی حد تک امید کی کوئی کرن دور دور تک نظر نہیں آتی --۲۶ر جون کے خطاب جمعہ میں امیرِ تنظیم اسلامی نے ان حالات و واقعات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ملکی صورتِ حال پر تفصیل سے اظہارِ خیال فرمایا اور صدر پاکستان سے خاص طور پر اپیل کی کہ وہ حالات کی نزاکت کو محسوس کریں اور ملک و قوم کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دو رخی پالیسی کو ترک کریں جو اب تک ہماری حکومت کا اصل الاصول رہی ہے اور جس کی وجہ سے حالات اس درجے ابتر اور تشویشناک ہوئے ہیں --- یہ خطاب اگر اللہ نے چاہا تو مکمل شکل میں "ندائے خلافت" کے آئندہ شمارے میں شائع ہوگا' تاہم اس کا پریس ریلیز زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے۔

ایم کیو ایم کے ایک دہشت گرد جماعت ثابت ہونے اور اراکین اسمبلی کے استعفوں سے پیدا ہونے والی صورت حال پر ۲۸ر جون کو تنظیم اسلامی کے شعبۂ نشرواشاعت کی جانب سے اخبارات کو جو پریس ریلیز ارسال کیا گیا تھا وہ بھی یقیناً قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا:

"لاہور: ۲۸ر جون - امیرِ تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے آج ایک اخباری بیان میں کہا کہ اطلاعات کے مطابق ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والے اراکین قومی و صوبائی اسمبلی کی اکثریت نے اپنی نشستوں سے استعفاء دے دیا ہے۔ ان کے لئے یہ قدم اٹھانا ضروری تھا کیونکہ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جس تنظیم سے ان کا تعلق ہے اور جس کی قوت کی بنا پر انہیں نمائندگی کے ایوان میں رسائی ملی وہ ایک دہشت گرد اور تشدد پسند جماعت ثابت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات بھی بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ خواہ خود ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہ رہے ہوں لیکن ان کا انتخاب یقیناً اس فضا میں ہوا تھا جو منصفانہ انتخاب کے لئے ہرگز سازگار نہیں تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ ان کے حلقوں میں ووٹروں کے پاس کوئی متبادل موجود نہیں تھا کیونکہ انہیں ووٹ نہ دینے کا مطلب ایم کیو ایم کے تشدد کو دعوت دینا تھا' تاہم صوبائی حکومت اور میاں نواز شریف کی وفاقی حکومت کی جانب سے ان کے قریب ترین وزراء کے بیانات قوم کے لئے ایک سوالیہ نشان ہیں۔ اخباری اطلاعات مظہر ہیں کہ حکومت کسی نہ کسی شکل میں ایم کیو ایم کے کسی نہ کسی دھڑے کی سرپرستی قبول کر کے اس کے منتخب اراکین اور وزراء کو حکومت میں شامل رکھنا چاہتی ہے۔ ان کوششوں کو جنہیں شرم ناک سے ہلکا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا' صدر مملکت کی بھی آشیرباد حاصل ہو تو پھر ہمارے سیاسی نظام کا خدا ہی حافظ ہے۔

امیرِ تنظیم اسلامی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں سیاسی روایات اب تک مستحکم نہیں ہوسکیں لیکن گئے گزرے حالات میں بھی حکمرانوں کے کسی ٹولے نے اس ڈھٹائی سے کام نہیں لیا جس کا مظاہرہ ہماری موجودہ حکمران جماعت نے کیا ہے۔ طرفہ تماشا ہے کہ ایم کیو ایم کو تو دہشت گرد اور متعصب لسانی تنظیم قرار دیا گیا ہے لیکن اس سے تعلق رکھنے والے اراکینِ اسمبلی کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے وزراء میں ایک دوڑ سی لگی ہوئی ہے اور یہ ستم ظریفی یہیں تک محدود نہیں' میاں نواز شریف کی حکومت سب کی سننے اور اپنا مطلب خاموشی سے نکالنے میں بڑی مہارت کا ثبوت دے رہی ہے جس کا ایک مظہر اس کا اے این پی کے ساتھ اشتراک بھی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ کاغذ کی یہ ناؤ زیادہ دیر چل نہیں سکے گی اور حکومت کو بالآخر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے ملک و قوم کے مفادات عزیز ہیں یا اپنی حکومت کا ہر قیمت پر بقاء۔

انہوں نے کہا کہ اس فیصلے میں جتنی بھی تاخیر روا رکھی جائے ملک و قوم کے حق میں ضرر رساں ہوگی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اب بھی وقت ہے کہ حکمران عقل کے ناخن لیں اور معاملات کو اس حد تک نہ پہنچادیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ ہو۔"

☆ ☆ ☆

ابتدائی دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس کے بارے میں' جو گذشتہ کئی برسوں سے قرآن اکیڈمی ر قرآن کالج میں پڑھایا جارہا ہے' یہ اطلاع نوٹ کرلی جائے کہ آئندہ سال میں ایک ہی بار اس کورس میں داخلہ دیا جائے گا۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے اس کورس کو شرکاء کی سہولت کی غرض سے دو سمسٹرز میں تقسیم کردیا تھا تاکہ اگر کسی صاحب کے لئے یکمشت ایک سال فارغ کرنا ممکن نہ ہو تو وہ چھ ماہ میں کورس کا ابتدائی حصہ مکمل کریں اور پھر کچھ عرصے بعد جب ان کے لئے ممکن ہو دوسرے سمسٹر میں شریک ہو کر کورس کی تکمیل کرلیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی ہوا تھا کہ سال میں دوبار داخلے دیا جایا کریں گے' ایک بار رمضان المبارک کے فوراً بعد اور دوسری مرتبہ ستمبر اکتوبر میں' تاکہ داخلے کے خواہشمند حضرات اپنی سہولت سے جس عرصے میں چاہیں داخلہ لے سکیں۔ لیکن اب مرکزی انجمن خدام القرآن کی انتظامیہ نے اس معاملے میں ایک تبدیلی کا اعلان کیا ہے۔ سمسٹرز کی تقسیم تو اگرچہ حسبِ سابق برقرار رہے گی لیکن سال میں دوبار داخلوں کی سہولت بوجوہ ختم کردی گئی ہے۔ آئندہ نئے داخلے ان شاء اللہ العزیز ستمبر میں ہوں گے۔ حتمی تاریخوں کا اعلان آئندہ شمارے میں کردیا جائے گا۔

برائے فروخت

کارنر پلاٹ' ۲۲۵۴ مربع فٹ' ڈیفنس لاہور' فیز III' بلاک "زیڈ" اپنی پیشکش ماہنامہ میثاق' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

تذکرہ و تبصرہ

ملکی و ملی حالات کے بارے میں تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا نقطۂ نظر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات کے آئینے میں

ملکی حالات کی سنگینی میں حکومت اور صدرِ مملکت کا حصّہ
اور موجودہ سیاسی بحران کا واحد حل: تازہ غیر جانبدارانہ الیکشن

جمعہ ۲۶ جون کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور، ۲۶ جون ۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ صدر غلام اسحاق خاں کے لئے اپنے سیاسی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا بس ایک موقع رہ گیا ہے۔ انہیں فوری طور پر قومی اور تمام صوبائی اسمبلیاں توڑ کر ایک خالص غیر سیاسی اور غیر جانبدار عبوری انتظامیہ کے تحت فوج کی نگرانی میں ایسے آزادانہ انتخابات کا انتظام کرنا چاہئے جو رائے دہندگان کی حقیقی پسند و ناپسند کے آئینہ دار ہوں۔ لیکن اس اقدام کے ساتھ یہ شرط بھی لازم ہے کہ صدر کو اپنے کئے پر پشیمانی ہو اور آئندہ وہ ایک غیر متنازعہ صدر مملکت کا کردار ادا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطابِ جمعہ کا آغاز اس یقین کے اظہار کے ساتھ کیا کہ پاکستان کے بارے میں پُر امیدی کا تعلق ماضی اور مستقبل سے ہے، ورنہ حال نے تو ہر باشعور پاکستانی کو شدید مایوسی سے دوچار کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حال اور حالات کا نقشہ یہ ہے کہ پوری قوم پر نفاق کی گہری چھاپ نظر آتی ہے، جسے سیاسی عدمِ استحکام نے بہت مہلک بنا دیا ہے، جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ ہم سیاسی نابالغوں کا ایک غول بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ قوم بالکل بانجھ ہو چکی ہے جس نے ماضی قریب میں پورے برِ عظیم ہندوپاک کو عظیم قائدین کی صفوں کی صفیں مہیا کی تھیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ سیاسی عدم استحکام کی کوکھ سے جنم لینے والی افراتفری کی رہی سہی خرابی کو انتظامی مشینری کی نا اہلی و ناکامی نے پورا کر دکھایا اور حال اب یہ ہو گیا ہے کہ

عوام کے مال و جان کی محافظ پولیس کا کنڈا کھنکھٹانا اب کسی شریف شہری کے بس کی بات نہیں رہی۔ وہ ہر نقصان برداشت کر لے گا لیکن پولیس کے ہاتھوں ذلت و رسوائی قبول کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس پر مستزاد نظامِ تعلیم کی مکمل تباہی اور دینی و دنیوی اعتبار سے سخت خسارے کا سودا ہے معیشت کی یہ کیفیت ہے کہ قوم کا بال بال سودی قرضوں میں بندھا ہوا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ان حالات میں بھی ہم نے اپنے ماضی و مستقبل کے بارے میں ملنے والے مشیتِ ایزدی کے اشاروں کے سہارے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا' لیکن گزشتہ ایک ہفتہ کے واقعات نے اہل پاکستان کو ششدر کر کے مایوسی کے سیاہ اندھیروں میں دھکیل دیا ہے۔ کراچی میں ایم کیو ایم کے خلاف کارروائی میں منظرِ عام پر آنے والی داستانوں کی سفاکی' درندگی' بربریت اور خوں آشامی نے قوم کو دہلا کر رکھ دیا ہے جن کا ایک ذمہ دار لندن میں آرام سے ہے' جہاں خود وزیراعظم اس کی خدمت میں حسب سابق حاضری دے کر آئے ہیں اور دوسرا ذمہ دار جو صدر غلام اسحاق خاں کا داماد بھی ہے' اپنے بال بچوں سمیت عزت و اکرام کے ساتھ لندن سدھار گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ سندھ میں ہونے والے ان تمام مظالم کی تمام تر ذمہ داری جام صادق' اس کے جانشینوں اور عرفان مروت کی ایم کیو ایم کے ساتھ ملی بھگت پر عائد ہوتی ہے جس کی براہِ راست پشت پناہی سے صدرِ مملکت ایک دن بھی غافل نہیں رہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ایم کیو ایم سندھ کی حکومت میں حصہ دار ہے جس کا کردار سامنے آنے کے بعد صوبائی حکومت کے برقرار رہنے کا جواز صفرفی صد بھی نہیں رہا' لیکن اسے مسلط رکھنے کے لئے ہر طرح کا جوڑ توڑ روا رکھا جا رہا ہے' جبکہ وفاقی حکومت کو بھی قائم رہنے کا کوئی حق نہیں رہا جو اگر بے خبر تھی تو دنیا کی نا اہل ترین حکومت تھی اور اگر سندھ کے حالات سے واقف تھی تو ان جرائم میں برابر کی شریک قرار دی جانی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ایم کیو ایم کے تمام اراکینِ قومی و صوبائی اسمبلی بھی اپنا استحقاق کھو چکے ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی ان شرمناک کارروائیوں میں شریک تھا یا نہیں لیکن یہ بات بہر حال ظاہر ہو گی کہ ان سب کا انتخاب دہشت گردی کی فضا میں ہوا ہے۔ ان تمام عوامل کے نتیجے میں لازم آتا ہے کہ ہماری وفاقی حکومت کو ایک دن کی بھی مہلت دینا ڈھٹائی سمجھی جائے گی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے زور دے کر کہا کہ اس سارے ہولناک ڈرامے میں سب سے بڑا کردار ہمارے چاق و چوبند بیوروکریٹ صدر نے ادا کیا ہے اور اس کی کہانی نے وہ زخم ایک بار پھر ہرے کر دیئے ہیں جو ایک مفلوج اور مغلظات بکنے والے بیوروکریٹ ملک غلام محمد نے قوم ۔

کے وقار کو لگائے جس پر مؤرخ حیرت کا اظہار کرے گا کہ وہ بھی کیا قوم ہو گی جس پر غلام محمد جیسے لوگ بھی حکومت کر گئے۔ انہوں نے کہا کہ صدر مملکت نے اپنی ساری غلط کاریوں کی تلافی کا آخری موقع استعمال کر کے اب بھی ہمارے حال پر رحم نہ کیا تو ملک پر مارشل لاء کے نفاذ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا جس کے بارے میں مرحوم ضیاء الحق سمیت سب کا اتفاق ہے کہ پاکستان کا آخری مارشل لاء ثابت ہو گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدر اسحاق خاں اپنے آپ کو پاکستان کا ٹھیکیدار سمجھنا چھوڑ دیں کیونکہ اس ملک خداداد کا ٹھیکیدار خود اللہ ہے یا پھر اس کے عوام۔ انہیں تو بلا تاخیر ملک کو ایک حقیقی نمائندہ حکومت دینے کا انتظام کرنا چاہیے تاکہ دستور و آئین بچ جائے اور یہ سسٹم جیسا کچھ بھی ہے' برقرار رہے۔ ورنہ مارشل لاء آیا تو آئین کی بساط ایک بار پھر لپیٹ دی جائے گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے بے نظیر بھٹو اور نوابزادہ نصراللہ خاں کے اس مطالبے کو بھی ناپختگی قرار دیا کہ ملک میں ایک قومی حکومت قائم کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ قومی حکومت بھی تو انہی عناصر پر مشتمل ہو گی جو اس الیکشن کے نتیجے میں سامنے آئے جس کا بھرم کھل چکا ہے۔ اب یہ کوئی راز نہیں رہا کہ آئی ایس آئی اور آئی جے آئی میں محض ایک درمیانی حرف کا فرق تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے آخر میں کہا کہ تازہ غیر جانبدارانہ الیکشن کی یہ تدبیر بھی ملک کو محض بحران سے نکالنے کا ذریعہ بن سکتی ہے' ورنہ پاکستان کا استحکام صرف اور صرف ایک حقیقی اسلامی انقلاب میں مضمر ہے جس کی فکر نہ کی گئی تو یہ ملک اپنے جواز سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

موجودہ عالمی صورتحال کے تناظر میں پاکستان کے مضبوط دفاع اور داخلی استحکام کی ضرورت

افغانستان کے حالات میں اہلِ پاکستان کے لیے سبق' اور

عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

جمعہ ۵ جون کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور' ۵ جون: امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ اپنے چاروں طرف رونما ہونے والی تبدیلیوں اور خاص طور پر بھارت کے جارحانہ عزائم کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کو داخلی استحکام درکار ہے جو انتخاب اور احتساب کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ کے آخری حصے میں انہوں نے بھارت کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد اگلے قدم کے طور پر دفاعی اور اسلحی معاملات میں باہمی تعاون

کے حالیہ معاہدے کو بھارتی فضائیہ کی ان مشقوں سے جوڑتے ہوئے کہا جو انہی ہوائی اڈوں پر کی جارہی ہیں جہاں سے پاکستان پر جارحیت کا ماضی میں بھی ارتکاب کیا گیا تھا کہ بھارت کے ارادوں کے بارے میں ہم کسی خوش فہمی کا شکار نہیں' تاہم اس صورت حال میں ہمیں اپنی دفاعی قوت کو ہر وقت تیاری کی حالت میں رکھنے کے علاوہ ملک میں داخلی استحکام کا انتظام بھی کرنا ہوگا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا داخلی استحکام کے لئے ایک خالص غیر سیاسی اور بالکل غیر جانبدار عبوری حکومت کے تحت تازہ الیکشن ضروری ہوگئے ہیں' کیونکہ پچھلے عام انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی حکومتیں عوام کا اعتماد کھو چکی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ اس عبوری حکومت کو احتساب کا فریضہ بھی انجام دینا ہوگا جس کی عدم موجودگی میں یہاں لوگوں نے قوم کے اربوں روپے بغیر ڈکار لئے ہضم کئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں کو اربوں روپے کے قرضے معاف کئے گئے اور وہ لوگ جو اس سے بھی زیادہ رقوم کے قرضے دبائے بیٹھے ہیں ان کی فہرستیں اعلان کے باوجود شائع نہیں کی جارہی ہیں' حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف یہ فہرستیں قوم کے سامنے آئیں بلکہ ان سے پائی پائی وصول کرنے کا انتظام بھی کیا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بعض باخبر حلقوں کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پاکستان سے اتنی دولت باہر لے جا کر جمع کر لی گئی ہے کہ اگر متعلقہ لوگوں پر شکنجہ کسا جائے تو اتنا زرمبادلہ حاصل ہوجائے گا کہ ملک بیرونی قرضوں سے ایک ہی دفعہ آزاد ہو جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں اب تین رجحانات واضح ہو کر سامنے آرہے ہیں۔ ایک یہ کہ لڑائی جھگڑے کی بات پھر سننے میں آرہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ پرست لوگ ظاہر شاہ کے لئے تختِ حکومت بچھانے کے لئے ایک بار پھر سرگرم ہوگئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اقلیتی گروپ جن میں ازبک' تاجک اور شیعہ شامل ہیں' مزار شریف کو اپنی قوت کا مرکز بنا رہے ہیں اور اس مشن میں انہیں ایران کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ ان کی کامیابی شمالی افغانستان کو الگ کرلینے کی شکل میں ظاہر ہوگی جو کسی بھی طرح برادر ملک افغانستان کے حق میں نہیں جاتا۔ انہوں نے کہا کہ تیسرا رجحان حوصلہ افزا ہے' یعنی حزبِ اسلامی اور افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے خواہشمند دوسرے چھوٹے گروپ اب متحد ہو رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اتحاد ہی ان کی اصل قوت ہے اور اسی کی کمی نے وہاں حالات کو خراب کیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس سارے معاملے میں اہلِ پاکستان کے لئے سبق یہ ہے کہ اگر یہاں بھی غلبۂ دین کے لئے کسی کوشش کو نتیجہ خیز بنانا ہے تو اتحاد و اتفاق اولین ضرورت ہے۔ دینی عناصر کو بنیانٍ مرصوص بن کر ایک قیادت کے تحت کام کرنا ہوگا۔

قبل ازیں انہوں نے فلسفۂ قربانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے اس کے

تعلق پر روشنی ڈالی ۔ عیدالاضحیٰ کی قربانیوں کے ضمن میں انہوں نے کہا کہ حج کے موقع پر منیٰ میں ہونے والی قربانی کے گوشت کو تو دنیا بھر کے غریب مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا بہت عمدہ انتظام ہوگیا ہے' تاہم ہمارے ملک میں مستحق غرباء کا حصہ ان تک پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں۔
ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ بعض اطلاعات کے مطابق انڈونیشیا اور ملائشیا میں حکومتی سطح پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قربانی کرنے والے گوشت کا ایک چوتھائی حصہ جمع کرادیتے ہیں جسے مستحقین تک پہنچانے کا معقول انتظام ہے۔ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حکومت یا ایدھی ٹرسٹ جیسے ادارے اس کام کو بھی اپنے ہاتھ میں لیں تو قربانی کا منشا بہتر انداز میں پورا ہو سکتا ہے۔ ○○

شمالی امریکہ میں تنظیم اسلامی کی شاخ کا قیام

الحمدُ للہِ کہ

فوٹِپ (FOTIP)

یعنی فرینڈز آف تنظیمِ اسلامی پاکستان کے نام سے شمالی امریکہ میں

تنظیمِ اسلامی کا ایک حلقہ وجود میں آگیا ہے

جو غلبۂ اقامتِ دین کی جدوجہد میں تنظیمِ اسلامی پاکستان کی ممکنہ معاونت کے لیے کوشاں رہے گا

اس حلقے کے ناظم کے طور پر جناب عطاء الرحمٰن صاحب کا تقرر عمل میں آیا ہے

فوٹپ کے مرکزی دفتر کا پتہ حسب ذیل ہے:

Mr. Mohammad Ataur Rahman
69 S, Nicoll Way, Glen Ellyn, Il 60137-6226 U.S.A
Telephone (Res): 708- 790-9205 (Fax)-(Tel. off): 312-814-4442

سیاستِ خلافت
پہلے اور اب

یعنی
دورِ خلافت راشدہ کے سیاسی نظام
اور عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت
کے سیاسی و دستوری ڈھانچے
میں فرق و تفاوت

از

ڈاکٹر اسرار احمد

'تفکر و تذکر' کے زیر عنوان روزنامہ 'نوائے وقت' میں شائع ہونے والے امیرِ تنظیم اسلامی کے ابتدائی دو مضامین "سیاستِ خلافت ۔ پہلے اور اب" کے جامع عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں ہدیۂ قارئین کئے جارہے ہیں۔ ان میں سے پہلے مضمون کا عنوان ہے "اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار" اور دوسرے مضمون کا موضوع ہے "عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کا دستوری ڈھانچہ"!

۱۷ر جولائی ۹۲ء کو انہی موضوعات پر قرآن آڈیٹوریم' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ایک مذاکرے کا اہتمام کیا جارہا ہے ، جس میں سیاسیات (پولیٹکل سائنس) کے شعبے سے تعلق رکھنے والے چنیدہ اصحابِ علم و دانش کی شرکت متوقع ہے۔ اسی مذاکرے کے پیش نظر مذکورہ دونوں مضامین کو ایک کتابچے کی صورت میں علیحدہ بھی طبع کرالیا گیا ہے جو موقع پر موجود شرکاء کو پیش کیا جائے گا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار

حال ہی میں ایک اعلیٰ سطحی سرکاری تربیتی ادارے میں خطاب کی دعوت ملی۔ وہاں گفتگو کے لئے جو موضوع دیا گیا وہ بہت دلچسپ تھا۔ یہ موضوع دو اجزاء پر مشتمل تھا: یعنی ایک "اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار" اور دوسرا "پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار"۔۔۔ گویا ایک بحث خالص علمی اور اصولی تھی اور دوسری واقعاتی اور تجزیاتی۔ وہاں ان دونوں موضوعات پر جو کچھ عرض کیا گیا اسے کسی قدر حک و اضافہ کے ساتھ سلسلہ وار ہدیۂ قارئین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ آج کے موضوع کے حصہ اول سے متعلق گفتگو ہوگی۔ پھر عہدِ حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا خاکہ پیش کیا جائے گا اور آخر میں پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کے کردار اور اس کے نتائج کا جائزہ لیا جائے گا۔

بعض مذہبی حلقوں کی جانب سے یہ رائے بہت شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا وجود جائز نہیں ہے' اس لئے کہ یہ تفرقہ اور انتشار کا سبب بنتی ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تفرقہ اور تحزب کے قبیل کی چیزیں فتنہ اور شرک کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس رائے کے حامل حضرات اپنے موقف کی تائید میں نہ صرف یہ کہ تفرقہ اور اختلاف کی مذمت میں وارد شدہ جملہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہیں بلکہ اپنی رائے کو اتحاد و اتفاق کی تحسین و ترغیب پر مشتمل آیات و احادیث کے ذریعے مزید مؤکد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات کا موقف یہ بھی ہے کہ سیاسی جماعتوں کا وجود اصلاً موجودہ انتخابی نظام کا حصہ ہے اور یہ نظام امیدواری کی اساس پر قائم ہے جو اسلام کی رو سے حرام ہے۔ اس طرح یہ پورا سلسلہ بنائے فاسد علی الفاسد کی

کامل مثال ہے۔

جہاں تک اس موقف کے جزو اول کا تعلق ہے یقیناً جو حضرات یہ رائے پیش کر رہے ہیں وہ اپنی اس رائے پر بہت پہلے سے قائم ہوں گے لیکن امر واقعہ بہر حال یہ ہے کہ اس رائے کا اظہار سابق صدر پاکستان' جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں ہوا جو خود بھی اس کے حامی ہی نہیں پر جوش مبلغ تھے۔ پھر جنرل صاحب موصوف کی یہ رائے بھی' ہو سکتا ہے کہ' اصولی موقف پر مبنی ہو' لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ان کی ذاتی اور وقتی مصلحت کے بھی عین مطابق تھی۔

رہا اس مرکب رائے کا جزو ثانی' یعنی امید واری کی حرمت تو یہ موقف سب سے پہلے جماعت اسلامی نے ۵۱-۱۹۵۰ء میں قیام پاکستان کے بعد ہونے والے پہلے انتخابات کے موقع پر اختیار کیا تھا جو پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے لئے ہوئے تھے۔ جماعت اسلامی نے تو ان انتخابات کے نتائج کے پیش نظر اپنے پورے طریق اور اپنی جملہ آراء (مثلاً امید واری حرام ہے۔ اور پارٹی ٹکٹ لعنت ہے!) سے عملاً رجوع کر لیا تھا لیکن بعض حضرات تا حال اس موقف کی صحت اور درستی کے قائل ہیں اور اس کے ضمن میں بھی ان کی جانب سے جہاں قرآن مجید کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں دنیا میں ذاتی علو اور بالادستی کی طلب کو موجب فساد قرار دیا گیا ہے (جیسے سورۂ قصص کی آیت نمبر ۸۳) وہاں ان احادیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے جن میں عہدہ کے حصول کی خواہش یا سوال کی مذمت کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ آراء چند در چند مغالطوں پر مبنی ہیں اور اگر ہم پاکستان میں واقعۃً ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کے خواہاں ہیں تو ہمیں ان مغالطوں کے ازالے کے لئے کھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ قوم کے ذہین اور فہیم عناصر کے شکوک و شبہات رفع ہوں اور اسلام کے نظامِ حکومت و سیاست کی جانب پیش قدمی کی راہ ہموار ہو سکے۔

خلافتِ راشدہ کے خصائص

اس سلسلہ میں اولین اور عظیم ترین مغالطہ، جو اکثر لوگوں کو لاحق ہوا ہے یہ ہے کہ شاید عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست دورِ خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت کا ہو بہو چربہ یا کاربن کاپی ہوگی، لہٰذا سب سے پہلے اسی پر گفتگو مناسب ہے۔

پہلی خصوصیت: دورِ نبوت کا ضمیمہ

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ایک جانب خلافتِ راشدہ کا دور ہماری تاریخ کے عہدِ زریں کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کے رشتے کا استوار ہونا عین ایمان کا تقاضا ہے، لیکن دوسری جانب اس حقیقت کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ دور خلافتِ راشدہ کے بعض ایسے خصائص اور امتیازات ہیں جو اس کے نظامِ حکومت میں تو جزو لاینفک کے طور پر پیوست تھے لیکن اب دنیا میں دوبارہ کبھی وجود میں نہیں آسکتے، مثلاً اولین اور اہم ترین یہ کہ دور خلافتِ راشدہ دورِ نبوت کا ضمیمہ تھا اور اس وقت کا معاشرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تربیت و تزکیہ کے مبارک اثرات و ثمرات سے مالا مال تھا۔ اب نہ دنیا میں دوبارہ دورِ نبوت آئے گا نہ اس کے سے آثار و برکات کا حامل ضمیمہ یا تتمہ!

دوسری خصوصیت: صحابہؓ کی درجہ بندی

ثانیاً--- دور خلافتِ راشدہ میں ہمیں اشخاص و افراد کے مابین ایک درجہ بندی نظر آتی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران کی گئی جان گسل انقلابی جدوجہد کے دوران سبقت الی الایمان، اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں صبر و مصابرت، ایثار و انفاق، اور سرفروشی و جانفشانی کی کیفیت و کمیت کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ چوٹی پر وہ دس صحابہ کرامؓ تھے جو عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں، پھر اصحابِ بدر کا درجہ تھا، ان کے بعد اصحابِ بیعتِ رضوان کا شمار تھا، وَقِس علیٰ ذٰلک۔ اب ظاہر ہے کہ یہ درجہ بندی نہ صرف یہ کہ فی الوقت موجود

نہیں بلکہ آئندہ بھی اگر کوئی جدوجہد اصولی اعتبار سے انقلاب نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہج اور منہاج پر ہوئی تب بھی اگرچہ اس کے کارکنوں میں ایک فطری درجہ بندی تو لازماً قائم ہوگی لیکن اس کے لئے اس قسم کی "سند" کا وجود میں آنا محال مطلق ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و فرمودات کی بنیاد پر جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بحیثیت مجموعی اور مختلف صحابہ کو اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے انفرادی اور شخصی حیثیت سے حاصل تھی۔

سنتِ خلفاءِ راشدین کا اتباع لازم

دورِ خلافتِ راشدہ کے اس قسم کے خصائص کی بنا پر ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان مبارک میں خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نتھی کردیا ہے کہ: "تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت' اسے مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑے رکھو!" (ترمذیؒ' ابوداؤدؒ' عن عرباض ابن ساریہؓ) چنانچہ اسی بنا پر فقہاءِ کرام نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اجتہادات کو اجماع کا درجہ دے کر ہمیشہ کے لئے واجب الالتزام قرار دیا ہے۔

قبائلی معاشرہ اور تمدنی ارتقاء

دورِ خلافتِ راشدہ کے ان مثبت خصائص کے ساتھ ساتھ اس امرِ واقعی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری تاریخ کا عہدِ زریں اور دینی اور فقہی اعتبار سے حجت ہونے کے باوجود وہ زمان و مکان اور ظروف و احوال کے ایک خاص پس منظر کا حامل ہے۔ چنانچہ جہاں یہ حقیقت ظاہر و باہر ہے کہ چونکہ اس وقت کا معاشرہ خالص قبائلی بنیادوں پر قائم تھا' لہٰذا اس دور کا نظامِ مشاورت بھی لا محالہ اسی کی اساس پر استوار تھا اور کسی گھرانے کے سربراہ یا قبیلے کے شیخ کی رائے معلوم ہوجانے کے بعد اس کے ایک ایک فرد سے رائے لینا سوائے وقت اور وسائل کے ضیاع کے اور کچھ

نہ تھا، وہاں یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل نوع انسانی بحیثیتِ مجموعی کم از کم سیاسی شعور کے اعتبار سے عہدِ طفولیت میں تھی اور ابھی سیاسی اداروں کے نشو و نما کا عمل جاری تھا جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ نہ صرف اس وقت بلکہ بعد میں بھی بہت طویل عرصے تک "ریاست" اور "حکومت" کے مابین کسی فرق و تفاوت کا فہم اور شعور نوعِ انسانی کو حاصل نہ ہوا تھا، جس کا لازمی اور منطقی، اور نہایت خوفناک نتیجہ یہ تھا کہ حکومتِ وقت کی مخالفت لا محالہ "بغاوت" ہی شمار ہوتی تھی۔ (اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہی اصل سبب تھا کربلا کے حادثۂ فاجعہ کا اور اس کے بعد کے ان متعدد حوادث کا جو حکومت کی تبدیلی کی کوشش کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئے۔)

اس سلسلہ میں ہمیں اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک محسوس نہیں کرنا چاہئے کہ اگرچہ مسلمان عربوں نے فلسفہ، ریاضی، فلکیات اور طب وغیرہ جملہ علوم زیادہ تر یونان اور کسی قدر ہند سے حاصل کر کے انہیں پروان چڑھایا اور ترقی دی اور پھر ان علوم کو ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعے وسطی یورپ کی اقوام، خصوصاً اہلِ فرانس اور جرمنی، کو منتقل کیا ـــــ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں "اصلاحِ مذہب" کی تحریک بھی برپا ہوئی اور "احیاءِ علوم" کی بھی، لیکن اس کے بعد ہم نہ صرف لمبی تان کر سو رہے بلکہ عیش و عشرت میں محو ہو گئے۔ اور پھر جملہ علوم و فنون کا ارتقاء یورپ ہی میں ہو چنانچہ وہیں سائنس اور ٹیکنالوجی نے ترقی کی، جس کے نتیجے میں انکشافات و ایجادات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کی بلندیاں اب عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں۔ کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!" کے مصداق آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں اور وہیں تمدنی اور سیاسی ارتقاء کا عمل آگے بڑھا جس کے نتیجہ میں انسانی حقوق کا تصور بھی پروان چڑھا اور سیاسی ادارے بھی وجود میں آئے۔ اب اگر ہم یورپ کی سائنسی اور تکنیکی ترقی کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور زیادہ سے زیادہ یہی اصول اپناتے ہیں کہ نئی ایجادات کا

استعمال شریعت کی حدود کے اندر ہونا چاہئے تو یہی اصول ہمیں مغرب کے تمدنی ارتقاء کے ثمرات کے ضمن میں بھی اختیار کرنا چاہئے کہ ان اداروں یا ان کے معمولات میں سے جو بھی قرآن و سنت کی واضح نصوص کی روشنی میں کلی یا جزوی طور پر "حرام" قرار پائیں ان سے تو لازماً اجتناب کریں لیکن باقی سے خواہ مخواہ لرجک نہ ہوں۔

تاریخ کا حقیقت پسندانہ مطالعہ

دورِ خلافتِ راشدہ کے ضمن میں ایک تیسری حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس سے جو محبت اور عقیدت ہمارے دلوں میں ہے (اور ہونی چاہئے!) اسے اس دور کے حالات و واقعات کو حقیقی واقعاتی پس منظر میں دیکھنے کی راہ میں حجاب نہیں بننا چاہئے۔ اگر ہم ذرا دیر کے لئے تقدس کے پردے کو ہٹا کر دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ اس دور میں بھی سیاسی پارٹیاں موجود تھیں، اور اگرچہ ابتداء میں وہ خالص قبائلی بنیاد پر قائم تھیں، جیسے مہاجرین و انصار، یا اوس و خزرج، یا بنو ہاشم اور بنو امیہ وغیرہ--- تاہم کچھ ہی عرصے بعد ان میں شخصیات کا عمل دخل نمایاں ہوگیا تھا۔ چنانچہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ دو پارٹیاں وجود میں آگئیں جو ابتداء میں خالص سیاسی اختلافات کی بنا پر ہی وجود میں آئی تھیں۔ ان کی بنا پر مذہبی اور اعتقادی تفرقہ بہت بعد کی پیداوار ہے۔

اسی طرح "امید واری" اس دور میں جس طرح حرام قرار دی جارہی ہے اس میں بھی واقعات و حقائق سے صاف اور صریح گریز نظر آتا ہے اس لئے کہ جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کا معاملہ ہے، سب جانتے ہیں کہ وہ خالص ہنگامی حالات میں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاریؒ اور مسند احمد ابن حنبلؒ میں وارد روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے صراحۃً واضح کردیا تھا کہ اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا اور مسلمانوں کے مشورے کے بغیر خلافت کا فیصلہ گویا مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کے مترادف ہوگا! اسی طرح حضرت عمرؓ کا معاملہ بھی استثنائی ہے،

اس لئے کہ وہ بجائے خود بھی ایک غیر متنازعہ اور متفق علیہ شخصیت کے حامل تھے، پھر ان کا انتخاب نہیں ہوا بلکہ انہیں حضرت ابوبکرؓ نے اصحابِ حل و عقد سے استصواب اور مشورے کے بعد نامزد کردیا تھا۔ لیکن خلیفہ ثالث کے انتخاب کا معاملہ مختلف تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لئے انشراحِ صدر کے ساتھ فیصلہ نہ کرپائے تو انہوں نے معاملہ ان صحابہؓ کے حوالہ کردیا جو عشرہ مبشرہ میں سے اس وقت موجود تھے ـــــ کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں (یہ ایک نہایت فیصلہ کن مثال ہے اس دور میں موجود درجہ بندی کی!) گویا یہ اس وقت کا "الیکٹورل کالج" تھا۔

اب یہ تفصیل سب کے علم میں ہے کہ ان حضرات میں سے تین نے بقیہ تین کے حق میں "دستبرداری" کا اعلان کردیا۔ بقیہ تین میں سے بھی ایک (حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ) نے اعلان کردیا کہ اگر باقی دو حضرات فیصلے کا اختیار انہیں دے دیں تو وہ بھی "دستبردار" ہوجائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تو بتایئے کہ بقیہ دو حضرات جدید اصطلاح کے مطابق "امیدوار" کے سوا اور کیا قرار پائیں گے؟ اگرچہ یہ "امیدواری" معاذ اللہ، حکومت اور اقتدار کی حرص اور ذاتی علوّ و سربلندی کی خواہش کی بنا پر ہرگز نہ تھی بلکہ اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق ملک و ملت کو بہتر سے بہتر انتظامی ڈھانچہ عطا کرنے اور اپنی اپنی خداداد صلاحیتوں و استعدادات کی مناسبت سے خلافت علیٰ منہاجِ النبوۃ کے مقاصد کو زیادہ سے زیادہ سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھانے کے لئے تھی۔

اخلاقی اور قانونی تعلیمات میں فرق

ایک دوسرا خلطِ مبحث جو اس قسم کے معاملات میں بالعموم پیش آتا ہے وہ اسلام کی اخلاقی و روحانی اور فقہی و قانونی تعلیمات کے مابین فرق نہ کرنے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کی ان دونوں سطحوں کی تعلیمات اکثر و بیشتر معاملات میں مختلف، اور بعض معاملات میں تو متضاد تک ہوتی ہیں، اور اگر ان کے مابین فرق و امتیاز قائم نہ رکھا جائے تو بسا اوقات خالص نیک نیتی کے تحت بھی نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے

مغالطے پیدا ہوجاتے ہیں بلکہ عظیم فتنے رونما ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اخلاقی سطح پر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اللہ کی قسم کھا کر اس شخص کے ایمان کی مطلق نفی فرمائی ہے جس کی کج خُلقی کے باعث اس کا پڑوسی امن اور چین میں نہ ہو، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی بنا پر کسی کو غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا اور اسی قسم کی احادیث کی بنا پر خلطِ مبحث کے باعث خوارج ایسا انتہائی گمراہ فرقہ وجود میں آیا جس نے ایک عظیم فتنے کی صورت اختیار کرلی۔ اسی طرح روحانی اور احسانی سطح پر قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ اپنی ضرورت سے زائد ہو اللہ کی راہ میں دے دیا جائے اور اپنے پاس مال جمع نہ کیا جائے، دوسری طرف قانونی سطح پر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حلال ذرائع سے جو کچھ کماؤ اس میں سے صرف زکوٰۃ تو لازماً وصول کرلی جائے گی، باقی کے ضمن میں تمہیں اختیار حاصل ہے کہ چاہو تو از خود اللہ کی راہ میں دے دو اور چاہو تو اپنے پاس رکھ لو --- چنانچہ اسی پر زکوٰۃ اور میراث کے شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ آیتِ کنز ہی کی بنا پر خالص نیک نیتی سے حضرت ابو ذرؓ اس رائے کے شدت سے قائل ہوگئے تھے کہ چاندی سونے کی کوئی بھی مقدار اپنے پاس رکھنا حرامِ مطلق ہے۔ یہی معاملہ تفرقہ و انتشار کی مذمت اور اتحاد اور اتفاق کی ترغیب یا اقتدار کی حرص یا علوِّ ذات کی خواہش کی مذمت کا ہے۔ یہ ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے۔ لیکن نہ شعوب و قبائل کی تقسیم و تمیز اس کے منافی ہے جسے اللہ نے خود اپنی جانب منسوب کیا ہے، نہ ہی اس کی نفی اس حقیقت واقعی سے ہوتی ہے کہ معاشرے کا ہر خاندان ایک نیم آزاد (آٹونومس) تنظیمی وحدت ہے جس کا سربراہ اپنی جگہ "والیٔ امر" اور حدیث نبویؐ کے الفاظ میں "راعی" ہوتا ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے ملکی و قومی مسائل، خارجی اور داخلی حکمتِ عملی، اور قومی آمد و خرچ (بجٹ) کے ضمن میں ترجیحات کے فرق کی بنیاد پر لوگ علیحدہ علیحدہ سیاسی جماعتوں کی صورت میں منظم ہوں تو جب تک ہر جماعت اور تنظیم کتاب و سنت کے

حدود کے اندر اندر رہنے کی پابندی کا اقرار و اعلان کرے' اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے اور قرآن و سنت کی کوئی نصِ صریح ایسی نہیں ہے جس سے اس کی حرمت ثابت ہو۔

ہمارا اصل مسئلہ: اخلاق کا زوال

اس مسئلے میں مغالطے کا ایک اور سبب یہ ہے کہ ہم جب بھی ان موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں' ہمارے پیشِ نظر اپنا ماحول ہوتا ہے اور ہم اپنے یہاں کی سیاسی جماعتوں کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے رائے قائم کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی معاملے کی اصولی حیثیت کو سامنے رکھا جائے' ورنہ ہمارے ہاں جو پیشے مقدس سمجھے جاتے ہیں اگر ان سے وابستہ لوگوں کی بھی اکثریت کے کردار کو سامنے رکھا جائے تو شاید رائے اکثر حالات میں برعکس قائم کرنی پڑے۔ اسی پر سیاسی جماعتوں کے کردار کو قیاس کرنا چاہئے کہ اصل خرابی قومی سطح پر کردار اور اخلاق کے زوال' دیانت و امانت کے فقدان' اور ایفاءِ عہد کے عنقا ہوجانے کی ہے' جس پر مستزاد ہے سیاسی شعور کی کمی اور سیاسی جماعتوں کے استحکام کی راہ میں بار بار کے مارشل لاء کے ادوار کے باعث رکاوٹ' جس کی بنا پر ہم سیاسی اعتبار سے بحیثیتِ مجموعی ایک "نابالغ" قوم بن کر رہ گئے ہیں اور ملکی سیاست نے خالص ذاتی مفادات کے کھیل کی صورت اختیار کرلی ہے' اس کے برعکس متمدن اور ترقی یافتہ ممالک کی سیاسی جماعتوں کو دیکھئے کہ داخلی طور پر کتنی مستحکم اور منظم ہوتی ہیں اور عوامی سطح پر ملک و قوم کے مسائل کے ضمن میں لوگوں کو سوچنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور سیاسی و قومی معاملات کے ضمن میں تعلیمِ بالغاں کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔

حاصلِ کلام

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست کے ضمن

میں قرآن اور سنت اور دورِ خلافتِ راشدہ سے بنیادی اصول اخذ کرنے ہوں گے اور ان کے ساتھ انسان کے تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آنے والے جملہ اداروں کی پیوند کاری کرنی ہوگی' اس شرط کے ساتھ کہ ان کے اصول و قواعد' یا معمولات و روایات میں جو چیزیں قرآن و سنت کی نصوص کی رو سے حرام ہوں ان کی قطع و برید اور تراش خراش کردی جائے۔ اس لئے کہ جن اعلیٰ اقدار تک انسان نے اپنے اس طویل تمدنی ارتقاء کے ذریعے رسائی حاصل کی ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ سب علامہ اقبال کے قول کے مطابق اصل میں "نورِ مصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے مستعار ہیں اور اس سفر کے دوران انسان نے جو ادارے تشکیل دیئے ہیں وہ نوعِ انسانی کی مشترک میراث ہیں اور ان اعلیٰ اقدار اور ان سیاسی و تمدنی اداروں کی برکات سے انسان صرف اس لئے محروم رہ گیا ہے' اور بحر و بر میں فساد اس لئے رونما ہوگیا ہے کہ اس نے فرعون اور نمرود کی پیروی کرتے ہوئے حاکمیت مطلقہ کا مدعی بن کر خود "شارع" یعنی قانون ساز کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اور اگر آج بھی آسمانی ہدایت و شریعت اور تمدنی ارتقاء کے ثمرات کو یک جا کر دیا جائے تو بائبل کی اصطلاح کے مطابق "زمین پر آسمان کی بادشاہت" قائم ہوجائے گی اور وہ عالمی نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ وجود میں آجائے گا جس کے قیام کی صریح اور قطعی پیش گوئیوں کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیات کے بارے میں حدیث نبویؐ میں یہ الفاظ مبارکہ بھی وارد ہوئے ہیں کہ :" اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ چنانچہ اس وقت آسمان بھی نعمتوں کی موسلا دھار بارش برسائے گا اور زمین بھی اپنی نباتات و برکات کے سارے خزانے باہر نکال دے گی!"

آئندہ صحبت میں ان شاء اللہ ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی ریاست کے بنیادی اصول کیا ہیں اور وہ عہدِ حاضر کے اعلیٰ ترین جمہوری معیارات کی حامل ریاست سے کن کن اعتبارات سے مختلف ہے۔

عہدِ حاضر میں

اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کا دستوری خاکہ

احکامِ شریعت میں اجمال و تفصیل

شریعتِ اسلامی کے احکام کا خاصا بڑا حصہ تو عبادات سے متعلق ہے جو اگرچہ اسلام میں تو خالص انفرادی معاملہ نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی اجتماعیت کا رنگ غالب ہے، تاہم قانونی اور دستوری سطح پر ان کو لازماً احوال شخصی ہی میں شمار کیا جائے گا۔ پھر اسلام کے اوامر و نواہی کا معتدبہ حصہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے متعلق ہے جو نوعِ انسانی اور مذاہبِ عالم کا مشترک ورثہ ہیں۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے ان احکامِ شریعت کا جن کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ پھر چونکہ انسانی معاشرے کی اکائی خاندان کا ادارہ ہے اور اجتماعیات انسانیہ کا نقطہ آغاز رشتہ ازدواج ہے' مزید برآں چونکہ حیاتِ انسانی کا یہ گوشتہ ابتدا ہی سے کامل ہے اور اس سے متعلق مسائل و معاملات میں تمدنی ارتقاء کے عمل کے ذریعے کسی تبدیلی کا امکان نہیں تھا' لہٰذا قرآن حکیم نے عائلی قوانین نہایت تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کردیئے۔ اسی طرح چونکہ مرد اور عورت کی نفسیات میں بھی کسی بنیادی تغیر و تبدل کا امکان نہیں تھا' لہٰذا معاشرتی نظام کے ضمن میں بھی معروف و منکر کے تصورات اور ان سے متعلق اوامر و نواہی قرآن مجید میں خاصی وضاحت اور صراحت کے ساتھ عطا کردیئے گئے۔ لیکن انسان کی حیات اجتماعی کے سیاسی و ریاستی اور معاشی و اقتصادی شعبوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے ضمن میں تمدنی ارتقاء کا عمل نزولِ قرآن کے وقت بھی جاری تھا اور تاحال بھی جاری ہے' لہٰذا عقل و منطق

کے عین مطابق ان کے سلسلے میں قرآن حکیم نے اساسی اصول اور اہداف تو معین کردیئے، لیکن تفصیلی احکام زیادہ نہیں دیئے۔ پھر ان میں سے بھی معاشی اور اقتصادی معاملات سے متعلق تو بعض معین احکام بھی قرآن میں مل جاتے ہیں، جیسے ربوا، قمار اور رشوت کی حرمت، خرید و فروخت کے ضمن میں باہمی رضامندی کی شرط، اور احکام میراث وغیرہ، لیکن سیاست و ریاست کے سلسلے میں تو واقعہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے صرف اصول عطا کئے ہیں، معین شکل کوئی بھی لازم نہیں کی! (اصل میں یہی بات تھی جو کسی زمانے میں مرحوم اے۔ کے بروہی نے کہی تھی لیکن بعد میں عوامی دباؤ یا ذاتی مصالح کے باعث اس سے رجوع کرلیا تھا۔)

اسلامی ریاست کی دو امتیازی خصوصیات

عہدِ حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا خاکہ کیا ہوگا؟ یا بالفاظ دیگر دورِ جدید میں اسلام کا نظامِ خلافت ریاست و سیاست کے میدان میں کیا عملی صورت اختیار کرے گا؟ اس سوال کے جواب میں نظری اور فلسفیانہ بحثوں سے قطع نظر راقم جو بات آج تک کے مطالعے اور غور و فکر کے نتیجے میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ عرض کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق بلند ترین جمہوری روایات کی حامل ریاست ہوگی جو وطنی قومیت کی اساس پر قائم ہونے والی سیکولر جمہوری ریاست سے صرف دو بنیادی امور میں مختلف ہوگی یعنی:

۱۔ اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ

پہلی اور اہم ترین اساسی وجہ امتیاز یہ کہ اس میں حاکمیت مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا جائے گا (بقول علامہ اقبال۔ "سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے، حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری!") جس کا عملی مظہر قرآن و سنت کی نظام اور قانون دونوں پر بلا استثناء اور غیر مشروط بالادستی ہوگی، جو ریاست کے دستور اساسی میں غیر مبہم انداز میں ریاست کے اصل الاصول کی حیثیت سے ثبت

ہوگی۔ گویا اس ریاست کا بنیادی اصول انسانی حاکمیت نہیں ' بلکہ خلافت انسانی کا تصور ہوگا!

۲۔ اسلامی قومیت

دوسری اساسی وجہ امتیاز' جو متذکرہ بالا اصل الاصول ہی کا منطقی نتیجہ ہے' یہ ہے کہ اس کی مکمل شہریت وطنی قومیت پر مبنی ریاست کے برعکس اس کی جغرافیائی حدود کے اندر رہائش پذیر ہر شخص کو نہیں بلکہ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا اعلان و اقرار کریں۔ غیر مسلموں کی حیثیت اس میں اس "محفوظ اقلیت" کی ہوگی جن کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا کامل ذمہ بھی لیا جائے گا(اسی لئے انہیں "ذمّی" کہا جاتا ہے) اور جنہیں عقیدہ و عبادات اور عائلی قوانین سمیت پورے پرسنل لاء کے ضمن میں مکمل آزادی کی ضمانت بھی دی جائے گی۔ مزید برآں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی بالکل اسی طرح کی جائے گی جیسے مساجد کی' لیکن چونکہ نظامِ خلافت یا اسلامی ریاست میں قانون سازی کا عمل اپنی اساسی نوعیت کے اعتبار سے کتاب و سنت کی حدود کے اندر اندر "اجتہاد" سے عبارت ہوگا اور خلافت کے "علیٰ منہاج النبوۃ" ہونے کے باعث اس کا اصل مقصد نبوت کے مشن کی توسیع و تکمیل ہوگا' لہٰذا غیر مسلموں کو نہ قانون سازی کے عمل میں شریک کیا جاسکے گا نہ اعلیٰ سطح کی پالیسی اور حکمتِ عملی کی ترتیب و تشکیل میں۔

ان سے اعراض کا مطلب

متذکرہ بالا دونوں اصول جو باہم لازم و ملزوم بھی ہیں اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے وہ لازمی و لابدی خصائص ہیں جو اس سے کسی بھی صورت یا حالت میں جدا نہیں کئے جاسکتے' اور جو مسلمان ان کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی اختیار نہیں کرسکتا اسے صاف کہہ دینا چاہئے کہ وہ اسلام کو صرف عقیدہ اور اخلاقی سطح پر قبول کرتا ہے'

نظامِ ریاست و حکومت اور سیاست ملک و قوم کی سطح پر اسے یا غیر موزوں اور نامناسب سمجھتا ہے یا ناممکن اور ناقابلِ عمل ۔ اس لئے کہ ان میں سے پہلا اصول توحید کا لازمی تقاضا ہے جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے' لہٰذا اس کا انکار کفر ہے اور اس میں استثناء کے رخنے ڈالنا شرک ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیات ۴۴' ۴۵ اور ۴۷ میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ " جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں' وہی تو ظالم (مشرک) ہیں اور وہی تو فاسق (یعنی سرکش اور باغی) ہیں" ۔ اور سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۲ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ نظامِ اطاعت کے حصے بخرے کر دینا کہ بعض حصوں میں مرکزِ اطاعت اللہ اور رسولؐ ہوں اور بعض میں کوئی اور' حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے ۔ مزید برآں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۵ میں شدید تنبیہہ و تہدید فرما دی گئی ہے کہ :" تو کیا تم ہماری کتاب (یعنی شریعت) کے کچھ حصے کو تسلیم کرتے ہو اور کچھ حصے کو نہیں مانتے؟ تو جان لو کہ تم میں سے جو کوئی بھی یہ روش اختیار کرے گا اس کی سزا دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن تو انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا ۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے!"

رہا دوسرا اصول' تو وہ پہلے اصول کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہونے کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ہونے کے علاوہ پاکستان کے لئے تو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے' اس لئے کہ حصولِ پاکستان کی تحریک متحدہ وطنی قومیت کی نفی اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ بنا بریں اس کا انکار پاکستان کے جواز کی نفی' اور اس سے انحراف پاکستان کے انہدام کے مترادف ہے ۔ (یہی وجہ ہے کہ بھارت کے صحافی اور دانشور پاکستان کی سرزمین پر کھڑے ہو کر پاکستان کی نفی کا یہ لطیف انداز اختیار کرتے ہیں کہ " ہم نے پاکستان کو تسلیم کیا ہے' دو قومی نظریے کو نہیں!")

عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے نو (۹) دستوری نکات

بہر حال اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے ان دو اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے ساتھ انسانی حقوق کے بلند ترین تصورات و معیارات اور ریاست و حکومت کے جدید ترین اداروں کو منتقی کیا جاسکتا ہے اور اس طرح انسان کے تمدنی ارتقاء کے جملہ ثمرات سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً :

ا۔ اجتماعی خلافت

جب تک انسان کا سیاسی شعور گویا عہدِ طفولیت میں تھا اور انسان صرف بادشاہت یا شخصی حکومت ہی سے واقف تھا، خلافت اور امامت بھی شخصی ہی ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا: "ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، پس لوگوں کے مابین حق و انصاف کے مطابق حکومت کرو!" (سورۂ ص: ۲۶) اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا: "میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں!" (سورۂ بقرہ: ۱۲۴) لیکن جب نوعِ انسانی کا سیاسی شعور بلوغ کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلافت اور امامت کو بھی عوامی اور اجتماعی اداروں کی شکل دے دی، چنانچہ ایک جانب امامت الناس کی ذمہ داری مجموعی اعتبار سے امت مسلمہ کے حوالے کردی گئی جسے امت وسط اور خیرِ امت کا خطاب دیا گیا اور دوسری طرف خلافت بھی عامۃ المسلمین کا حق قرار پائی جو اپنے میں سے کسی کو منتخب کر کے اسے خلافت کے منصب پر فائز کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی حیات دنیوی کے آخری حج کے موقع پر جب حضرت عمرؓ کو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے مطلع کیا کہ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جیسے ہی حضرت عمرؓ کی آنکھ بند ہوئی ہم فوری طور پر فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلیں گے تو اس پر حضرت عمرؓ اتنے مضطرب ہوئے کہ فوری طور پر اجتماع عام منعقد کر کے عامۃ

المسلمین کو ان لوگوں کے عزائم سے خبردار کرنے کا ارادہ فرمایا" جو لوگوں کا حق غصب کرنا چاہتے ہیں۔" تاہم حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مشورے پر آپؐ نے یہ ارادہ مدینہ منورہ واپسی تک کے لئے ملتوی کردیا۔ چنانچہ مدینہ واپس پہنچنے پر آپ نے ایک عام اجتماع میں مفصل خطاب فرمایا' جس میں مسند احمد ابن حنبلؒ کی روایت کی رو سے تو یہ الفاظ شامل تھے کہ "جس شخص نے کسی امیر کی بیعت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کرلی اس کی کوئی بیعت نہیں!" اور صحیح بخاریؒ کی روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں :" جس کسی نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی امیر کی بیعت کی تو نہ اس کی بیعت کی جائے گی نہ اس کی جس کی اس نے بیعت کی!"

اسی طرح " مسلمانوں کے باہمی مشورے " کا نظام بھی دورِ خلافتِ راشدہ میں تو ' جیسے کہ گذشتہ صحبت میں عرض کیا جاچکا ہے ' قبائلی اساس اور اس درجہ بندی کی بنیاد پر قائم تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و فرمودات کی بناء پر اس وقت بالفعل موجود تھی ' لیکن موجودہ زمانے میں اسے بالغ رائے دہی کے اصول کے مطابق ریاست کی جغرافیائی حدود میں رہنے والے تمام بالغ مسلمان مردوں اور عورتوں تک وسیع کرنے میں کوئی نصِ شرعی مانع نہیں ہے ' بلکہ فقہاءِ اسلام کا بیان کردہ اصول کہ "تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں" روحِ عصر کے عین مطابق ہے ' اور جس طرح ایک مسلمان باپ کی وراثت میں اس کے محسن و متقی اور فاسق و فاجر بیٹے برابر کے شریک ہوتے ہیں ' ایسے ہی خلیفہ اور شوریٰ یا مجلسِ ملی کے ارکان کے انتخاب کے ضمن میں رائے دہندگی کے حق کے معاملے میں بھی بالکل ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے۔

البتہ قرآن حکیم کی اس ہدایت ابدی کے مطابق کہ " امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے حوالے کرو" (سورۂ نساء: ۵۸) انتخابات میں بحیثیت امیدوار سامنے آنے والوں کی سیرت و کردار کی چھان بین اور سکریننگ کا مؤثر بندوبست ضروری ہوگا' تاکہ ملک و ملت کی اہم ذمہ داریوں کی امانت صرف اہل لوگوں ہی کے حوالے کی جاسکے۔

اس سلسلہ میں جہاں تک امیدواری کے حلال یا حرام ہونے کا تعلق ہے اس پر گذشتہ صحبت میں گفتگو ہو چکی ہے' رہا حق رائے دہندگی کے ضمن میں عمر کی تعیین اور علیٰ ہذا القیاس کسی اضافی شرط یا شرائط کا عائد کیا جانا تو یہ بھی مسلمانوں کے باہمی مشورے ہی سے طے ہونے والے امور ہوں گے!

اس پوری بحث میں نظری اعتبار سے تو ان تمام لوگوں کا موقف مختلف ہو گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے خاتمے کے بعد بھی شخصی اور معصوم امامت کے قائل ہیں' لیکن چونکہ ان کی عظیم اکثریت یعنی اثنا عشری شیعہ کے عقیدے کے مطابق فی الوقت امام موجود نہیں ہیں بلکہ غیبتِ کبریٰ میں ہیں لہٰذا عملاً وہ بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں تمام اہلِ سنت' (بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ کئی صدیوں سے تو 'اجتہاد' کو ایک زندہ اور متحرک ادارے کی حیثیت سے قائم ہی صرف اہلِ تشیع نے رکھا ہے!) اور یہی معاملہ شش امامیہ حضرات میں سے داؤدی بوہروں کا ہے' گویا عملی طور پر استثناء صرف آغا خانیوں یا اسماعیلیوں کا ہے۔ ان کا امام معصوم چونکہ حاضر و موجود ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر روئے ارضی کے کسی علاقے میں کبھی اسماعیلی ریاست قائم ہوئی تو وہاں خلافت کے لئے انتخاب کا کوئی سوال نہیں ہو گا بلکہ امام حاضر خود یا اس کا کوئی نامزد نمائندہ حکومت کا اختیار سنبھالے گا۔ تاہم چونکہ پاکستان میں اسماعیلی ایک اقلِ قلیل اقلیت میں ہیں لہٰذا ان کا معاملہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

۲۔ ریاست کے اعضائے ثلاثہ

اسی طرح سب جانتے ہیں کہ عہدِ حاضر کی ریاست کے تین "اعضائے رئیسہ" یعنی مقننہ' عدلیہ' اور انتظامیہ دورِ خلافتِ راشدہ میں باہم گڈمڈ تھے اور علیحدہ علیحدہ مشخص و ممیز نہ تھے' لیکن ظاہر ہے کہ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کی راہ میں تمدنی ارتقاء کے ان عظیم ثمرات سے بھرپور طور پر مستفید ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے' چنانچہ ایک جانب مقننہ ہو گی (جسے مجلسِ شوریٰ بھی

کہا جاسکتا ہے اور مجلسِ ملی بھی) جس کے ارکان بھی سب مسلمان ہی ہوں گے اور ان کا انتخاب بھی صرف مسلمانوں کی رائے سے ہوگا اور اس کے ذریعے قانون سازی یعنی شریعتِ اسلامی کی تدوینِ نو اور اجتہاد کا عمل جاری رہے گا۔ دوسری جانب عدلیہ ہوگی جو جہاں شہریوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے گی اور شہریوں اور انتظامیہ کے مابین عدل قائم کرے گی اور دستور کی رُو سے جو حقوق شہریوں کو حاصل ہوں گے ان کی حفاظت کرے گی وہاں دستور کی امین ہونے کے ناطے اس امر کا بھی فیصلہ کرے گی کہ آیا مقننہ کا اختیار کردہ کوئی اجتہاد شریعت کے دائرے سے تجاوز تو نہیں کر گیا اور تیسری جانب انتظامیہ ہوگی جو ملک و قوم کے معاملات کے اُنتظام و انصرام، قانون کی تنفیذ، امن و امان کے قیام اور دفاعِ ملکی کے اہتمام کی ذمہ دار ہوگی۔

۳۔ قانون سازی یا اجتہاد

اجتہاد کے بارے میں علامہ اقبال کی یہ رائے تو صد فی صد درست ہے کہ اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اجتہاد کا حق صرف ارکان پارلیمنٹ کے لئے مختص ہوگا اور پارلیمنٹ سے باہر کے اصحابِ علم و فضل اور ارباب فہم و دانش کے لئے اجتہاد شجرِ ممنوعہ ہوگا، بلکہ اصل مراد یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ پارلیمنٹ کرے گی کہ کون سا اجتہاد قانون کا درجہ حاصل کر کے بالفعل نافذ ہوگا۔ تاہم چونکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا کوئی اجتہاد حدودِ شریعت کے اندر اندر ہے یا تجاوز کر گیا ہے، ایک علمی اور فنی معاملہ ہے لہٰذا عقل و منطق کی رو سے اس کا اختیار ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دیا جاسکتا جس کے ارکان محض عمر کے لحاظ سے بالغ مردوں اور عورتوں کے حق رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہوئے ہوں، قطع نظر اس کے کہ وہ دین و شریعت کے علم سے بہرہ ور ہوں یا تہی دست ہوں۔ اور چونکہ دستور کی اس دفعہ کہ "یہاں کوئی قانون کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کے منافی نہیں بنایا جاسکے گا" کی عملی تنفیذ کی نظری طور پر تین ہی صورتیں ممکن

ہیں: ایک یہ کہ اس کا اختیار مطلق پارلیمنٹ ہی کو دے دیا جائے جیسا کہ آج کل جمہوریت کے بہت سے علمبردار کہہ رہے ہیں' لیکن اس صورت میں منطقی طور پر لازم آئے گا کہ پارلیمنٹ میں صرف وہ لوگ شامل ہوں جو شریعت اسلامی کا معتدبہ علم حاصل کر چکے ہوں۔ اس طرح گویا مقننہ کا عوامی قاعدہ (BASE) بہت محدود ہو جائے گا جس سے روحِ عصر کے تقاضے مجروح ہوں گے' دوسری صورت یہ ہے کہ پارلیمنٹ سے بالا تر ایک ادارہ ہو جو علماء پر مشتمل ہو اور اسے اس فیصلہ کا اختیار ہو کہ آیا جو بل پارلیمنٹ میں زیرِ غور ہے یا منظور ہو کر قانون کا درجہ حاصل کر چکا ہے وہ شریعت کی حدود کے اندر اندر ہے یا نہیں۔ لیکن اس طرح ایک نوع کی تھیاکریسی وجود میں آجائے گی اور یہ بھی روحِ عصر کے منافی ہے' اس کے بعد تیسری اور روحِ دین اور روحِ عصر دونوں سے ہم آہنگ واحد صورت یہی رہ جاتی ہے کہ اجتہاد کا اختیار تو پارلیمنٹ ہی کے ہاتھ میں ہو لیکن اس خالص فنی اور علمی معاملے کو ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے سپرد کر دیا جائے کہ آیا کوئی اجتہاد واقعی "اجتہاد" ہی ہے یعنی کتاب و سنت کے حدود کے اندر اندر ہے یا حاکمیت خداوندی کو چیلنج کر کے بغی و طغیان اور فسق و فجور کی صورت اختیار کر گیا ہے!

اس ضمن میں موجود الوقت دو عملی بھی صرف عارضی طور پر درمیانی عرصہ کے لئے گوارا کی جا سکتی ہے کہ ملک کی عام اعلیٰ عدالتیں جدا ہوں اور ایک شریعت کورٹ علیحدہ قائم کی جائے اور یہ صورتِ حال تو بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ ان عدالتوں کے ججوں کے نصب و عزل کے معیارات اور قواعد و ضوابط مختلف ہوں ---- مستقبل کی مثالی اسلامی ریاست یا نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں تو ظاہر ہے کہ لاء کالج اصل میں کلیۃ الشریعہ ہی ہوں گے اور جملہ وکلاء و جج صاحبان ماہرین علم شریعت ہوں گے' لہٰذا ایک ہی عدالتی نظام ہوگا اور کسی ثنویت کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

۴۔ سیاسی جماعتیں

عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ اور روشن خیال ریاست کا اہم ادارہ سیاسی جماعتیں بھی ہیں اور انسان کی حریت فکر اور آزادیٔ اظہارِ رائے کی طرح جماعت سازی کو بھی شہریوں کا ایک مسلّم حق سمجھا جاتا ہے۔ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں بھی عوام کو یہ حق بعض پابندیوں اور بعض اضافی آزادیوں کے ساتھ حاصل ہوگا۔ پابندی یہ کہ کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم اپنے منشور میں ایسی چیز شامل نہیں کر سکے گی جو کتاب و سنت کے نصوص کے منافی ہو۔ اس لئے کہ سیاسی جماعتیں جس نظام کو چلانے کے لئے وجود میں آئیں گی وہ خود بھی انہی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہوگا۔۔۔ اور اضافی آزادی یہ کہ ہر رکن پارلیمینٹ' خواہ کسی بھی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہوا ہو' روز مرہ کے معاملات میں اپنی رائے کے اظہار میں آزاد ہوگا کہ اپنے ضمیر اور صوابدید کے مطابق رائے دے' الا یہ کہ معاملہ اساسی نوعیت کا ہو اور اس کی رائے بنیادی طور پر اس پارٹی کے منشور ہی کے خلاف جا رہی ہو جس کے ٹکٹ پر وہ منتخب ہوا ہو۔ اس صورت میں عقل و منطق اور دیانت و شرافت' دونوں کا تقاضا ہوگا کہ وہ از خود اپنی نشست سے مستعفی ہو جائے یا بصورتِ دیگر محروم کر دیا جائے۔

۵۔ آزادی اور پابندی کا حسین امتزاج

اس پوری بحث کا لبِّ لباب ایک حدیث نبویؐ کے حوالے سے بآسانی چند الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ "مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو" (مسند احمدؒ عن ابی سعید الخدریؓ)۔ اس مثال کو ذرا وسعت دے کر فرض کریں کہ ایک وسیع و عریض میدان ہے جس میں گھوڑے کے بھاگنے دوڑنے کی کافی گنجائش ہے لیکن آپ نہیں چاہتے کہ وہ بالکل آزاد ہو کر فرار ہی ہو جائے' لہٰذا آپ اسے ایک سو گز لمبی رسی کے ذریعے کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں۔ اس طرح سو گز نصف قطر کا ایک دائرہ ایسا وجود

میں آجائے گا جس میں گھوڑا آزاد ہوگا۔ البتہ ایک سو ایک واں گز ہر سمت میں ممنوع یا ناممکن ہوگا۔ ایک اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں آزادی اور پابندی کا جو حسین امتزاج ہوتا ہے وہ اس مثال سے اس طرح واضح ہوجاتا ہے کہ دائرے کا محیط کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی نمائندگی کرتا ہے جن سے تجاوز کی اجازت نہ افراد کو ہے نہ بحیثیت مجموعی معاشرے یا ریاست کو ' البتہ اس دائرے کے اندر اندر افراد بھی آزاد ہیں اور ریاست اور معاشرہ بھی ' چنانچہ اس حصے میں عہدِ حاضر کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق جمہوری اقدار کی ترویج و تنفیذ اور "ان کا معاملہ باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے" کے قرآنی اصول (سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۳۸) کے تقاضوں کو عہدِ حاضر کے بہترین ترقی یافتہ اداروں کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ فقہی اختلافات کا حل

ایک بہت اہم معاملہ جو شریعت کے عملی نفاذ کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ کی حیثیت سے بالعموم پیش کیا جاتا ہے فقہی اور مسلکی اختلافات کا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ تو اس مسئلے کی سنگینی واقعتاً اتنی نہیں جتنی بظاہر معلوم ہوتی ہے' اس لئے کہ اس کی اصل جِدّت و حرارت' یا جمود اور تعطل کی پیدا کردہ ہے یا مذہبی پیشہ ورانہ چشمک کا نتیجہ! اور یہ دونوں چیزیں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے قیام سے از خود ختم ہوجائیں گی۔ مزید بر آں ۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

کے مصداق اس میں بہت کچھ رنگ آمیزی الحاد اور اباحیت کے علمبرداروں نے جان بوجھ کر کردی ہے' تاہم اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ فقہی اختلافات ایک حقیقت واقعی ہیں اور ان کو یکسر ختم کردینا ناممکن ہی نہیں محال عقلی ہے اور عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں ان کو مناسب قانونی اور دستوری حیثیت دینا لازمی

ولابدی ہے۔

اس اعتبار سے میری یہ بات یقیناً بہت عجیب معلوم ہوگی لیکن میں ابلاغ کی سہولت کے لئے یہ اصطلاح استعمال کررہا ہوں کہ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت "نیم سیکولر" ہوگا' یعنی جس طرح سیکولر نظام میں کم از کم نظری طور پر تمام مذاہب و ادیان شہریوں کے شخصی معاملے کی حیثیت سے برابر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے ضمن میں ہر شخص کو مکمل آزادی دی جاتی ہے اسی طرح جدید اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں پورے پرسنل لاء اور احوال شخصی (بشمول عائلی قوانین) میں جملہ فقہی مسالک برابر تسلیم کئے جائیں گے اور تمام شہریوں کو مکمل آزادی حاصل ہوگی کہ عقیدہ و عبادات' پیدائش' شادی بیاہ' اور تجہیز و تکفین کی جملہ رسومات و تقریبات حتیٰ کہ عائلی قوانین اور احکامِ میراث میں اپنے اپنے مسلک کے مطابق عمل کریں (اور جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے یہ آزادی غیر مسلموں کو بھی بہ تمام و کمال حاصل ہوگی)۔ اس ضمن میں مشکل صرف عائلی قوانین کے ضمن میں پیش آسکتی ہے' یعنی ہوسکتا ہے کہ لڑکا کسی ایک مسلک سے تعلق رکھتا ہو اور لڑکی کسی دوسری فقہ کی پیرو ہو' اس صورت میں سادہ اور آسان حل یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر طے کرلیا جائے کہ اس شادی سے متعلق جملہ معاملات کس فقہ کے تحت طے ہوں گے' گویا دونوں میں سے کسی ایک کو' صرف عائلی قوانین کی حد تک' دوسرے کے مسلک کو قبول کرنا ہوگا۔

اس معاملے میں بھی ہمیں ترقی یافتہ ممالک سے رہنمائی حاصل کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے' چنانچہ اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہوگا کہ مختلف فقہی مسلک رجسٹر کرلئے جائیں اور ان کے اپنے اپنے اعلیٰ سطحی بورڈ ہوں جو اپنے اپنے مسلک کی مساجد اور اوقاف کا انتظام سنبھالیں اور حکومت کو اپنے اپنے مسالک سے متعلق امور میں مشورے دے سکیں' یہاں تک کہ عائلی مقدمات کا فیصلہ بھی ان ہی کے حوالے کردیا جائے۔

باقی جہاں تک قانونِ ملکی، یعنی فوجداری اور دیوانی قوانین، اور ملک کے پورے انتظامی ڈھانچے سے متعلق قواعد و ضوابط کا تعلق ہے تو اس معاملے میں دو میں سے کوئی ایک راہ اختیار کی جاسکتی ہے، یعنی ایک یہ کہ ان کے ضمن میں کسی بھی فقہ کو معین طور پر نافذ نہ قرار دیا جائے، بلکہ اصل حجت صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول ہی قرار پائیں اور تمام مذاہب فقہی اور ان کے اختیار کردہ اجتہادات محض نظائر کی حیثیت سے مشترک علمی ورثہ قرار پائیں --- اور دوسری یہ کہ ملک کی آبادی کی اکثریت جس فقہ کی پیرو ہو، پبلک لاء میں اسی کو نافذ قرار دیا جائے، جیسے کہ فی الوقت ایران میں کیا گیا ہے --- میرے نزدیک ان دونوں صورتوں میں بالفعل کوئی زیادہ فرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ عملاً تو عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست میں قانون اسلامی کی تدوین از سرِ نو ہوگی، اور یہ کام پارلیمنٹ یا مجلسِ ملی کے ذریعے ہوگا جس کے ضمن میں یہ فیصلہ کہ کہیں کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز تو نہیں ہوگیا، ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے ہاتھ میں ہوگا جہاں اصل دلیل صرف کتاب و سنت ہی ہوں گے۔ ملک کی آبادی کی اکثریت کی فقہ کو اگر دستوری حیثیت دے بھی دی جائے تو اس کا عملی اثر صرف اس حد تک مترتب ہوگا کہ کتاب و سنت سے استدلال اور استنباط میں اس مخصوص مکتبِ فقہ کے اصول اختیار کئے جائیں --- الغرض ع "مشکلے نیست کہ آساں نہ شود" کے مصداق یہ معاملہ بھی ہرگز لاینحل نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس ارادے اور عزم کی ہے کہ ہمیں مسلمان جینا اور مسلمان مرنا ہے اور زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں کو دین کے تابع کرنا ہے۔

۷۔ صدارتی وفاقی نظام

رہا یہ سوال کہ آیا عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست کا دستوری خاکہ پارلیمانی طرز کا ہوگا یا صدارتی طرز کا اور اسی طرح یہ امر کہ آیا ریاست وحدانی ہوگی یا وفاقی تو ان میں سے کتاب و سنت کی کسی نص نے کسی بھی صورت کو مسلمانوں پر واجب و لازم

نہیں کیا ہے بلکہ اصولی طور پر یہ معاملہ بھی "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے ذیل میں ہے، لہٰذا کلیتہً ریاست کے شہریوں کی صوابدید پر ہے۔ تاہم اس تاریخی حقیقت کا ذکر کرنا نامناسب نہیں ہو گا کہ دورِ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت جدید تصورات کے اعتبار سے صدارتی اور وحدانی سے قریب تر تھا۔ اور اسی طرح اس ذاتی رائے کے اظہار میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جس طرح پارلیمانی نظام کو گویا اصولِ موضوعہ اور ہمیشہ کے لئے طے شدہ فیصلے کی حیثیت دے دی گئی ہے وہ کسی شعوری اور بالارادہ انتخاب کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم پر انگریز حکمران تھے اور انہوں نے ہمیں جو ابتدائی تربیت دی وہ اسی نظام کی تھی، جو خود ان کے اپنے ملک میں رائج تھا۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اگر معروضی طور پر غور کیا جائے تو پاکستان اور بھارت، دونوں کے حالات سے صدارتی نظام زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ اسے حقیقی معنوں میں وفاقی ہونا چاہئے ---- اس ضمن میں بھارت نے تو بعض اقدامات کر بھی لئے ہیں جیسے بہت سے صوبوں کی نئی تشکیل اور ان کے ضمن میں جغرافیائی حقائق کے ساتھ ساتھ لسانی اور ثقافتی حقائق کا بھی مناسب لحاظ، لیکن پاکستان کو ابھی اس مرحلے سے بھی گزرنا ہے اور اس کے علاوہ مناسب ہے کہ صوبے چھوٹے چھوٹے بنائے جائیں اور ان کے مابین آبادی کا فرق و تفاوت بھی بہت زیادہ نہ ہو بلکہ اندازاً تمام صوبے لگ بھگ ایک کروڑ کی آبادی پر مشتمل ہوں (اِلّا یہ کہ کسی خاص علاقے میں رقبہ کی نسبت سے آبادی بہت کم ہو، جیسے بلوچستان، تو وہاں کم آبادی پر بھی صوبہ بنایا جا سکتا ہے)---- مزید برآں روحِ عصر کا تقاضا ہے کہ جملہ وفاقی اکائیوں کو زیادہ سے زیادہ داخلی خود اختیاری دی جائے اور ہر علاقے کے لوگوں کی زبان اور ثقافت کو یکساں اہمیت دی جائے--- سوائے عربی زبان کے جو ریاست کے اصل الاصول کے منبعوں اور سرچشموں، یعنی کتاب و سنت کی زبان ہے جس کی تعلیم پوری ریاست میں لازمی قرار دی جائے گی، اور جیسے ہی ممکن ہوا اسی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا جائے گا۔

۸۔ خواتین کی شرکت

رہا اس پورے نقشے میں خواتین کی شرکت اور شمولیت کا سوال تو اس سلسلے میں یہ امر تو قطعی طور پر طے ہو گا کہ کوئی عورت خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ یہ اگرچہ حرام مطلق تو نہیں' لیکن مکروہِ تحریمی کی حد تک ناپسندیدہ ضرور ہے۔ اسی طرح یہ رائے بھی پہلے ہی دی جا چکی ہے کہ جہاں تک خلیفہ اور ارکانِ شوریٰ کے انتخاب کا معاملہ ہے' خواتین کو بھی رائے دہی کا حق حاصل ہو گا۔ البتہ مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کا معاملہ اس کے بین بین ہے اور اس کا فیصلہ مستقبل کی مجلس شوریٰ ہی پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اگر ان کی مجلس شوریٰ میں شرکت کی گنجائش رکھی گئی' تب بھی ان کے لئے ستر و حجاب کے شرعی احکام کی پابندی لازم ہو گی۔

۹۔ غیر مسلموں کی حیثیت

جہاں تک غیر مسلم اقلیتوں کا سوال ہے اصولی بات تو پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے۔ صدر ریاست یا خلیفہ اور مجلسِ شوریٰ کے انتخاب میں ان کو حق رائے دہی حاصل نہیں ہو گا۔ البتہ تمام اقلیتی مذاہب کی ایک مشترکہ مجلسِ مشاورت یا مختلف مذاہب سے متعلق لوگوں کے علیحدہ علیحدہ مشاورتی بورڈ ان کے ووٹوں کے ذریعے تشکیل دیئے جا سکتے ہیں جو ان سے متعلق معاملات کے ضمن میں حکومت کو مشورے دے سکیں--- یہ معاملہ یقیناً عہدِ حاضر کے مسلمہ اور مروجہ نظریات کے بالکل خلاف ہے' لیکن اگر ہم واقعۃً ایک اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں تو' جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' یہ کڑوی گولی بہر صورت نگلنی پڑے گی۔ بصورتِ دیگر ہم نہ ادھر کے رہیں گے نہ ادھر کے--- اور مسلسل ۔ "ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر' کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!" کی تصویر بنے رہیں گے!---

لمحۂ فکریہ

اور اس کا حتمی فیصلہ ظاہر بات ہے کہ ایک زبردست عوامی تحریک ہی کے ذریعے ممکن ہے' چنانچہ ہماری تمام مذہبی جماعتوں کو غور کرنا چاہیئے کہ جب تک ملک کے دستور اساسی میں یہ بنیادی امور طے نہ کرالئے جائیں' ان اسمبلیوں میں شرکت مفید اور مناسب بھی ہے یا نہیں جن میں شمولیت کا پہلا قدم ہی دستور سے کامل وفاداری کا حلف اٹھانا ہوتا ہے؟۔ اور کیا صرف یہ خالص نظری اور موہوم سی امید کہ اسمبلی کے ذریعے دستور میں ترمیم بھی کرائی جا سکتی ہے' اس عمل میں تن من دھن کے ساتھ شرکت کے لئے کافی وجہ جواز ہے؟۔ بَیِّنُوا تُوْجَرُوا!۔ اب انشاء اللہ آئندہ صحبت میں "پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار" کے موضوع پر گفتگو ہوگی۔

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو میں منعقد ہونے والی

آئندہ تربیت گاہوں کا پروگرام

ملتزم تربیت گاہیں	مبتدی تربیت گاہیں
☆ ۳ر تا ۹ر جولائی ۹۲ء	☆ ۲۱ر تا ۲۷ر اگست ۹۲ء
☆ ۱۶ر تا ۲۲ر اکتوبر ۹۲ء	☆ ۲۰ر تا ۲۶ر نومبر ۹۲ء
☆ ۱۵ر تا ۲۱ر جنوری ۹۳ء	☆ ۵ر تا ۱۱ر فروری ۹۳ء

المعلن: ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

فریضۂ اقامتِ دین

سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

(دوسری قسط)

تفرقہ کا اصل سبب

جیسا کہ پہلی آیت میں بیان ہوا' تمام سابقہ امتوں کو یہ حکم ہوتا رہا ہے کہ "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ"---- کہ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں مت پڑو! اب اگلی آیت میں اس کا سبب بیان کیا جارہا ہے کہ جب دین ایک ہے تو پھر تفرقہ کیوں ہوا؟ یہودیت نے ایک علیحدہ راہ کیوں نکالی اور عیسائیت نے علیحدہ کیوں؟ ہر سلیم العقل انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ تو توحید سے بھی واقف تھے اور وحی' بعثتِ انبیاء و رسل' انزالِ کتبِ سماوی' بعث بعد الموت اور محاسبۂ اخروی کے عقائد سے بھی واقف تھے۔ یہ امور ان کے لئے اجنبی نہ تھے۔ ان کے برعکس اہلِ عرب اُمّی شمار ہوتے تھے اور وہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ تو پھر اہلِ کتاب نے آگے بڑھ کر اس دعوت کو قبول کیوں نہیں کیا' بلکہ اس کی مزاحمت و مخالفت میں مشرکین سے بھی زیادہ شدید کیوں ہوگئے؟ اس کا سبب معلوم ہونا ضروری ہے۔ عام طور پر تفرقے کے دو اہم سبب ہوسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب حق آئے تو وہ واضح نہ ہو اور دوسرا یہ کہ باہمی ضدم ضدا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے حق کا انکار کیا جائے اور تفرقے کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اگلی آیت میں قرآن مجید پہلے سبب کی نفی اور دوسرے سبب کا اثبات کررہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ

"اور لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا' صرف اس لئے کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔"

پس معلوم ہوا کہ ان کے تفرقے کا اصل سبب ناواقفیت نہیں بلکہ ان کی ضد اور سرکشی تھا۔ ان کے پاس "العلم" آچکا تھا' یعنی ہدایتِ ربانی ان کو پہنچ چکی تھی' حق ان پر واضح ہوچکا تھا۔ اور حق تو جب بھی آتا ہے بہت واضح اور مبرہن ہو کر آتا ہے' بیّنہ بن کر آتا ہے۔ سورۃ البیّنہ میں اس مضمون کو مزید واضح کیا گیا:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ○

"اور نہیں تفرقہ کیا ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس 'البیّنہ' آچکی تھی۔"

یعنی حق روشن اور مبرہن صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جاچکا تھا۔ لہٰذا تفرقے کا اصل سبب لاعلمی اور ناواقفیت نہیں' بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ چنانچہ اس تفرقے کے حقیقی سبب کو "بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ" کے الفاظ سے واضح کیا گیا کہ اس کا اصل محرک آپس کی ضد' ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی خواہش ہے۔ یا پھر قومی مفادات' قومی تفاخر' گروہی مناصب' ذاتی وجاہت و حشمت' اور دنیوی اغراض و مصالح کی خاطر حق سے اعراض کی روش اختیار کی جاتی ہے۔

اہلِ کتاب کے علاوہ سردارانِ قریش بھی اسی ضد کے سبب سے آنحضورؐ کی دعوت پر ایمان نہ لائے اور دینِ حق کی راہ میں مزاحم رہے۔ اس کی نمایاں ترین مثال ابوجہل کا وہ قول ہے جو اس نے اس وقت کہا جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے خیال میں محمدؐ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں؟ اس نے جواب میں کہا تھا: نہیں' انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا--- لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اور بنی ہاشم کے مابین ایک خاندانی مسابقت چل رہی تھی۔ بنو ہاشم نے مہمان نوازیاں کیں' ہم نے ان سے بڑھ کر کیں۔ انہوں نے حجاج کو کھانے کھلائے' ہم نے ان سے بڑھ کر کھلائے۔ انہوں نے ضیافت کے لئے اونٹ ذبح کئے' ہم نے ان سے زیادہ تعداد میں کئے۔ اس مسابقت میں اب تک ہم نے ان سے مات نہیں کھائی تھی' لیکن اب اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت مان لیں اور ان

کی رسالت کو تسلیم کرلیں تو ہم پر بنی ہاشم کی برتری ابدالآباد تک قائم ہو جائے گی!۔۔۔۔ چنانچہ اس کی اس بات سے مخالفت اور تفرقہ کا اصل سبب واضح ہوتا ہے۔

یہی معاملہ یہود کا ہوا۔ قرآن مجید کی شہادت یہ ہے کہ: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ "جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، وہ انہیں (یعنی رسول اللہؐ کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہوں!" (البقرہ: ۱۴۶، الانعام: ۲۰) یہود نے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کسی مغالطے کی بناء پر نہیں کیا تھا، وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ وہی آخری نبی ہیں جن کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں وہ سنتے چلے آرہے تھے اور جنکی آمد کے وہ منتظر تھے۔ اسی طرح عیسائی بھی آنحضورؐ کی آمد کی پیشین گوئیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک عیسائی راہب نے حضرت سلمان فارسیؓ کو یہ اطلاع دی تھی کہ جنوب میں کھجوروں کے جھنڈ میں نبیِّ آخر الزمان کا ظہور ہوگا، اگر حقیقی ہدایت اور حق کی طلب ہے تو وہاں پہنچو اور ان کی بعثت کا انتظار کرو! یثرب اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے یہودی اوس و خزرج کے قبیلوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، اور ہم جب اس کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے تو تم ہمارا مقابلہ نہیں کرسکو گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہودیوں کی یہی دھمکی بیعتِ عقبۂ اولیٰ کا سبب بن گئی، جس کا حوالہ اجتباء کی مثالوں کے ضمن میں دیا گیا ہے۔ جب مدینہ کے کچھ لوگ مکہ پہنچے اور ان کو حضورؐ کی دعوتِ نبوّت کا علم ہوا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ جلدی کرو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی آمد کے یہود منتظر بیٹھے ہیں، مبادا وہ ہم سے سبقت لے جائیں۔ اس طرح حضورؐ پر ایمان لانے اور پھر آپؐ کے اعوان و انصار بننے کی سعادت اہلِ مدینہ کے حصے میں آئی، لیکن یہود کی بدبختی آڑے آئی اور وہ دولتِ ایمان سے محروم رہے۔ اس لئے کہ ان کی عزتِ نفس پر یہ چوٹ پڑی کہ نعمتِ نبوت بنی اسرائیل سے چھن گئی اور یہ اعزاز بنی اسماعیل کو حاصل ہوگیا کہ نبی آخر الزمان ان میں مبعوث کئے گئے۔ ان کا یہی تعصب، ضد، ہٹ دھرمی اور نسلی برتری کا احساس ان کے پاؤں کی بیڑی بن کر رہ گیا اور محرومی ان کا مقدر ٹھہری۔ اسی لئے فرمایا گیا:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ

کہ انہوں نے جو تفرقہ و اختلاف کیا تو وہ کسی مغالطے یا ناواقفیت کی بناء پر نہیں' بلکہ ہدایتِ ربانی کے واضح طور پر پہنچ جانے کے بعد محض اپنے نفس کی شرارت و سرکشی اور باہمی ضد کا نتیجہ ہے!

"اجلِ مسمّٰی" کا قانون

آگے فرمایا:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

"اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل چکی تیرے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر تک تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا!"

واضح رہے کہ سورۃ الشوریٰ مکی سورت ہے' اور یہاں حضورؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ خاطر جمع رکھئے' اللہ کا فیصلہ آکر رہے گا' احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہو کر رہے گا۔ لیکن اس میں ابھی وقت لگے گا' کیونکہ ہر چیز کے انجام کے لئے اللہ کا مقرر کردہ ایک اندازہ اور ضابطہ ہے۔ اس فیصلے کے لئے بھی اللہ کی طرف سے ایک میعاد مقرر ہے' اور جب تک وہ گھڑی نہیں آتی تب تک منتظر رہنا پڑے گا!

قرآن کے آئینے میں ہماری تصویر

قرآن حکیم کے بارے میں خود قرآن ہی کے الفاظ ہیں: فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کہ اس میں تمہارا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آیتِ زیرِ درس کے اگلے حصے میں قرآن ہمارے سامنے ہماری ہی تصویر پیش کررہا ہے۔ تو آیئے' آئینۂ قرآنی میں اپنی تصویر دیکھئے' اور اگر یہ تصویر بُری نظر آئے تو آئینے کو الزام مت دیجئے کیونکہ آئینہ تو حقیقت کی عکاسی کرتا ہے' بلکہ اپنی شکل کو درست کرنے کی فکر کیجئے! فرمایا:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○

"اور وہ لوگ جو کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ در حقیقت اس کے بارے میں سخت الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں"

اِس وقت قرآن کے ساتھ ہمارا جو معاملہ ہے وہ اس آیت کا مصداقِ کامل ہے۔ اور یہ در حقیقت اس بات پر ہمارا ایمان مضمحل ہوجانے کا نتیجہ ہے کہ قرآن واقعی اللہ کی کتاب

ہے، ورنہ یہ ناممکن اور محالِ عقلی ہے کہ ایک طرف ہمارا یہ یقین ہو کہ یہ مالکِ ارض و سماء کا کلام ہے جس کے حضور ہمیں پوری زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے حاضر ہونا ہے اور دوسری طرف ہم اس سے اعراض اور گریز کا طرزِ عمل بھی روا رکھیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمیں یہ یقین ہو کہ یہ کتاب ہماری زندگی کے ایک ایک گوشے کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہے اور پھر بھی نہ اسے پڑھنے کا ہمارے پاس وقت ہو اور نہ اسے سمجھنے کی ہمیں ضرورت محسوس ہو؟ ہم سب کچھ پڑھیں، انگریزی ادب میں سکالر وجائیں، دنیا بھر کے علوم و فنون حاصل کر لیں، ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے عمرِ عزیز کے کئی قیمتی سال صرف کردیں، لیکن اگر عربی پڑھنے اور قرآن حکیم کو سمجھنے کی توفیق نہ ہوئی ہو تو یہ دعویٰ کیسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید پر ہمارا ایمان ہے؟ یہ قرآنی تشخیص ہے جو ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے کہ:

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ○

قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ اس کیفیت کے لئے لفظ "شک" پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ "ریب" کا لفظ بھی استعمال فرمایا کہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تم جس حالت میں مبتلا ہو وہ محض شک کی نہیں، بلکہ تمہارے شکوک میں بہت ہی اضطراب انگیز شبہات بھی ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری عملی تصویر اس کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

رسالت کا ایک اہم تقاضا: دعوت

اگلی آیت آج کی گفتگو کے مرکز و محور اور عمود کی حیثیت کی حامل ہے اور اس پر کافی غور و تدبر کی ضرورت ہے۔ آیت اپنے حجم کے لحاظ سے بھی طویل ہے اور بہت سے مضامین پر محیط ہے۔ ان میں سے ہر مضمون پر ان شاء اللہ الگ الگ گفتگو بھی ہوگی۔ فرمایا:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

"پس (اے نبیؐ حالات کی اس ناسازکاری کے باوصف آپؐ کے منصبِ رسالت کی ذمہ داری یہ ہے کہ) آپ اسی (توحید اور دین اسلام) کی دعوت دیتے رہیں، اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ خود بھی (توحید اور دین کے تقاضوں پر) مضبوطی سے قائم رہیں، اور ان (مشرکین و کفار) کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔ اور (ان سے صاف صاف) کہہ دیں کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مابین عدل (کا نظام قائم) کروں۔ اللہ ہی ہمارا مالک اور پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان (اس بات پر) کسی حجت (دلیل بازی اور جھگڑے) کی ضرورت نہیں۔ اللہ ایک دن ہم سب کو (میدان حشر میں) جمع کردے گا اور (انجام کار کے لحاظ سے) اسی کی طرف پھر جانا ہے!"

یہ آیتِ مبارکہ واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ اس کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت کے آغاز میں آنے والے کلمۂ "فا" اور "لامِ" غایت نے ذٰلِکَ سے مل کر اس آیت کا ماسبق کی آیات سے بھی مکمل ربط قائم کردیا ہے اور اس حکم کا مقصد بھی بیان کردیا ہے۔ نیز اسے اس پس منظر سے بھی مربوط کردیا ہے جو اس پوری سورۃ الشوریٰ کے نزول کے وقت موجود تھا، جس کی چند آیات کا ہم مطالعہ کررہے ہیں۔ یہ سورۂ مبارکہ مکی دور کے وسط کی سورتوں میں سے ایک ہے۔ زمانۂ نزول کے پس منظر میں جو کچھ ہو رہا تھا اسے پیش نظر رکھئے۔ مسلمان، بالخصوص نوجوانوں اور غلاموں کے طبقے میں سے ایمان لانے والوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر قسم کی اذیتیں دی جارہی تھیں۔ یثرب (مدینہ) میں یہودیوں کے مضبوط گڑھ تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ان تک بھی پہنچ چکی تھی، لیکن وہ موحّد اور حاملِ کتاب ہونے کے مدعی ہونے کے باوجود دعوتِ حق کو مٹانے کے لئے مشرکین سے ریشہ دوانیاں کررہے تھے۔ نجران میں نصاریٰ بھی موجود تھے اور ان کی ایک مختصر تعداد مکہ میں بھی موجود تھی۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر

تھے اور نصاریٰ نے بھی دین کو بدل دیا تھا۔ انہوں نے شریعت کو ساقط کردیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ قرار دے دیا تھا۔ یہود و نصاریٰ میں واضح اختلاف کے علاوہ ان میں سے ہر گروہ میں کئی کئی فرقے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ مکہ میں قریش اپنے آپ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل (علیٰ نبینا و علیہما الصّلوٰۃ والسلام) سے منسوب کرتے تھے' لیکن انہوں نے دینِ ابراہیمی کا حلیہ بگاڑ چھوڑا تھا۔ انہوں نے بیت اللہ شریف کو' جو خدائے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا' صنم کدہ بنادیا تھا اور اس میں تین سو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے۔ کعبہ کا طواف عریاں حالت میں کرنے کو بڑی نیکی کا عمل قرار دیتے تھے۔ اخلاقی طور پر رذائل و ذمائم کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ اس صورت حال میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی کہ: **فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ** ---- پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ **فَلِذٰلِکَ** سے پس منظر بھی مراد ہے اور اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے اس گفتگو کا آغاز ہوا تھا' یعنی:

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط

"اس (اللہ) نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقہ میں مت پڑو!"

یہاں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ **فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ**------ یعنی صیغہ امر میں حضورؐ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اسی دین کی دعوت دیتے رہیے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے' اس پر مضبوطی سے جمے رہیے۔ یہ مشرکین و کفار اسے قبول کریں یا نہ کریں' تصدیق کریں یا تکذیب کریں' منظور کریں یا رد کریں' خواہ گالیاں دیں' پتھر ماریں' ایذائیں پہنچائیں اور جان کے دشمن بن جائیں' آپؐ کے فرضِ منصبی کے اعتبار سے آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ اسی کی دعوت دیتے رہیں' کیونکہ دین کی دعوت آپ کا فرضِ منصبی ہے۔ "**وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ**" کے الفاظ میں اس بات کی مزید تاکید کی گئی کہ اس سے

اپ ایک انچ بھی نہیں ہٹ سکتے' آپ کو اس پر جمے رہنا ہے' کوئی مصلحت' کوئی مشکل' کوئی مصیبت' کوئی نقصان' کوئی خطرہ اور کوئی صدمہ اس دعوت سے منحرف ہونے کے لئے وجہِ جواز نہیں بن سکتا' کیونکہ آپ اس دعوت پر مامور ہیں' آپ اپنی مرضی سے تو نبوت و رسالت کا دعویٰ نہیں کر رہے' آپ نے اپنی سوچ سے تو اس دعوت کا آغاز نہیں کیا۔ یہ دعوت من جانب اللہ ہے۔ آپ اللہ کے رسول اور فرستادہ ہیں' لہٰذا آپ اس منصبِ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں لگے رہیے!۔۔۔۔۔ آنحضورؐ کو علی الاعلان دعوت پیش کرنے کا حکم ایک دوسرے اسلوب سے سورۃ الحجر میں بایں الفاظ دیا گیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○

"پس (اے نبیؐ!) آپ کو جس (دعوت) کا حکم دیا جا رہا ہے' اس کو ڈنکے کی چوٹ پیش کیجئے اور شرک کرنے والوں کی (مخالفت و مزاحمت کی) بالکل پرواہ نہ کیجئے!"

مصالحانہ رویّہ کی ممانعت

آیتِ زیرِ درس کا اگلا ٹکڑا ہے: وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ "اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو"۔ اس ٹکڑے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں پھر اس ماحول اور پس منظر کی طرف رجوع کرنا ہوگا جس میں یہ ہدایت دی گئی۔ مکی دور کے قریباً نصف میں ایسی فضا پیدا ہوگئی تھی کہ جب قریش کے مشرک سرداروں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس دعوت کا راستہ روکنے کے لئے ان کی ساری کوششیں ناکام ہوگئی ہیں اور اس دعوت کو ظلم و تشدد اور ایذا رسانی کے ذریعے سے دبانا ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر طرح سے ستا کر دیکھ لیا تھا اور آپؐ کے جاں نثار اہلِ ایمان پر بھی تشدد کے پہاڑ توڑے تھے۔ جو کچھ حضرت بلالؓ حضرت خبابؓ بن ارت اور آلِ یاسرؓ کے ساتھ ہوا اس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی دھوپ میں مکہ کی سنگلاخ زمین پر منہ کے بل گھسیٹا جاتا تھا' لیکن ان کی زبان پر کسی فریاد' کسی فغاں یا کسی آہ و بکاء کے بجائے بس اَحَد' اَحَد کا کلمہ جاری رہتا۔ حضرت خبابؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا' ان کے گوشت کے جلنے اور چربی

کے پگھلنے سے انگارے ٹھنڈے ہوتے، مگر وہ صبر و ثبات کی چٹان بنے رہے۔ حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چار سرکش اونٹوں کے ساتھ باندھ کر انہیں مخالف سمتوں میں دوڑا دیا گیا جس سے آپؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل لعین نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کرڈالا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیا کرتے تھے جس سے دم گھٹنے کے قریب ہوجاتا تھا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو مادر زاد ننگا کر کے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی والدہ نے بھوک ہڑتال کردی تھی کہ اگر سعدؓ اپنے آبائی دین پر واپس نہ آیا تو میں بھوکوں مرجاؤں گی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کئی بار اتنا مارا پیٹا جاتا کہ جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین ---- غرضیکہ اہل ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا، یہاں تک کہ کچھ لوگ حضورؐ کی اجازت سے ترکِ وطن کر کے حبشہ ہجرت کر گئے۔

جب قریش نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے ستانے، تکلیفیں پہنچانے اور ظلم و تشدد کی انتہا کردینے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی اس دین سے واپس نہیں پلٹا تب انہوں نے باہمی مشاورت سے فیصلہ کیا کہ اب حضورؐ سے مصالحت کے لئے بات چیت کرنی چاہئے۔ اگر یہ کچھ باتیں ہماری مان لیں اور کچھ ہم ان کی مان لیں تو ہماری ناک بھی نیچی نہیں ہوگی اور ایک مصالحانہ فضا بھی پیدا ہوجائے گی۔ ویسے کچھ لوگ تو اس طرح کی مصالحت کی ضرورت آنحضورؐ کی دعوت کے آغاز ہی سے محسوس کررہے تھے اور اس کے لئے کوشش بھی کرتے رہے تھے، جس کی طرف سورۂ نٓ (سورۃ القلم) میں اشارہ موجود ہے، جو دعوت کے آغاز کی سورۃ ہے۔ وہاں آنحضورؐ کو ان کی چالوں سے بایں الفاظ مطلع فرمادیا گیا تھا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○ (آیات ۸، ۹)

"پس (اے نبیؐ) آپ ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آئیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ آپ مداہنت کریں تو یہ بھی مداہنت کا رویہ اختیار کریں۔"

جن لوگوں نے سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہوگا کہ سردارانِ قریش کی جانب

سے آنحضورؐ کے پاس وقتاً فوقتاً سفارتیں آتی رہی ہیں اور حضورؐ کو مختلف اوقات میں مختلف پیشکشیں کی جاتی رہی ہیں۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ اگر آپؐ کو اس دعوت کے ذریعے دولت چاہیے تو آپؐ اشارہ کر دیجئے، ہم آپؐ کے قدموں میں زر و سیم اور جواہر کے انبار لگا دیں گے۔ اگر آپؐ کو اقتدار کی خواہش اور آپؐ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ------ اگرچہ ہم قبائلی زندگی کے عادی ہیں اور بادشاہت کا نظام ہمارے مزاج اور طبیعت سے میل نہیں کھاتا، پھر بھی ------ ہم آپ کو بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ کسی خاص خاتون سے رشتۂ ازدواج قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو اشارہ کر دیجئے، وہ خاتون چاہے کسی خاندان کی ہو، آپ کی زوجیت میں دے دی جائے گی۔ انہوں نے مزید پیش کش کی کہ آپؐ جس طرح نماز پڑھنا چاہیں، اپنے معبود کی عبادت کرنا چاہیں، ہم مزاحم نہیں ہونگے۔ ان تمام پیشکشوں کے عوض ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے آبائی دین کو، ہمارے بتوں، ہمارے اس مشرکانہ نظام کو برا کہنا چھوڑ دیں، اس پر تنقید کرنا ترک کر دیں۔

ان تمام پیشکشوں کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا وہ اگر تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے تب بھی اس کی عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو، تب بھی میں اِس دعوت سے باز نہیں آسکتا ------ یا تو میں اس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دے دوں گا، یا اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا!"

اس پورے تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر ان الفاظ مبارکہ کی معنویت پوری طرح واضح ہوتی ہے: **فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ** ۔۔ یعنی اے نبیؐ آپ اپنی دعوت پر ڈٹے رہیے اور اس دینِ حق کی طرف بلاتے رہیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یہ مشرکین دام ہم رنگِ زمین بچھا کر چاہتے ہیں کہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، کچھ لینے اور دینے (Give&Take) کا معاملہ ہو جائے، لیکن آپؐ کو ان کی خواہشاتِ باطلہ کی پیروی کرنے، اپنی دعوت میں کوئی لچک پیدا کرنے اور اپنے موقف میں کوئی کمزوری ظاہر کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ کوئی مانے تو اپنے بھلے کو، نہ مانے تو اس کا وبال بھی اسی کے سر ہے: **وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ** ○ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے، وہ الصّمد ہے، وہ

الغنی ہے ' وہ ستودہ صفات ہے' وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اگر اس کا دین صد فی صد نہیں مانتے تو چلو پچاس فی صد یا کم و بیش پر ہی معاملہ کر لیا جائے ---- نہیں بلکہ اس کا مطالبہ تو یہ ہے کہ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً** ---- کہ دینِ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ! اس کے دین کو قبول کرنا ہے تو اسے پورا پورا قبول کرنا ہوگا' اس لئے کہ اللہ کے دین میں باطل کی ذرا سی بھی آمیزش ہو گئی تو دین خالص نہ رہے گا اور یوں اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہو جائے گی: **اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ** کہ آگاہ ہو جاؤ' دینِ خالص (اطاعتِ کلی) صرف اللہ کا حق ہے اور **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ** یعنی "(اے نبیؐ ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب برحق نازل کی ہے ' لہٰذا آپ اللہ ہی کی بندگی کریں ' دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔" (الزمر:۲)--- حق اور باطل کی آمیزش سے جو مجموعہ بھی وجود میں آئے گا وہ حق نہیں کہلائے گا۔ وہ حقیقت کے اعتبار سے حق نما باطل ہو سکتا ہے ' لیکن حق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بقول علامہ اقبال۔

باطل دوئی پسند ہے' حق لا شریک ہے شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

اس شعر میں بڑی حکیمانہ بات بیان کی گئی ہے۔ چونکہ خالص اور مجرد باطل کا تو وجود قائم رہ ہی نہیں سکتا' لہٰذا باطل مجبور ہوتا ہے کہ وہ خود کو قائم رکھنے کے لئے حق کا کوئی نہ کوئی جزو اپنے اندر شامل کرے۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور اس کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کا پابند ہے' لہٰذا خالص باطل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ باطل در حقیقت حق و باطل کا ملغوبہ ہوتا ہے اور اس میں حق کا کوئی نہ کوئی جزو شامل ہوتا ہے' جس کی تاثیر سے وہ کچھ نشو و نما پاتا ہے۔ اس کی مثال آکاس بیل کی ہے جو کسی ہرے بھرے درخت ہی کے طفیل نشو و نما پاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ سے سابقہ پیش آیا تو ان دونوں فریقوں کی بھی یہ کوشش تھی کہ اگر نبی اکرمؐ ان کی خواہشاتِ باطلہ کی پیروی کریں اور ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ بھی کچھ جھکنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا: **وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ** (آیت ۱۲۰) ---- کہ اے نبیؐ! یہ یہود و نصاریٰ

آپ سے ہرگز راضی نہیں ہونگے جب تک آپ ان کے طور طریقوں کی پیروی نہ کریں۔ مشرکین اور اہلِ کتاب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حضورؐ اس ضمن میں کسی مصالحت کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہوسکتے، چنانچہ ان کی یہ مصالحانہ پیشکشیں دراصل مخلصانہ نہیں ہوتی تھیں بلکہ اپنے زیرِ اثر عوام کو یہ مغالطہ دینے کے لئے ہوتی تھیں کہ ان کی طرف سے تو مصالحت کی کوششیں تواتر کے ساتھ جاری ہیں، مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے موقف پر بضد ہیں۔

ایمان بالکتاب

قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی آیات میں نہایت اہم مضامین کا احاطہ کرلیتا ہے اور اس طرح کوزے میں سمندر بند ہونے کا محاورہ قرآن حکیم کی ہر آیت پر سو فی صد راست آتا ہے۔ چنانچہ اس آیتِ مبارکہ کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا گیا:

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ

"(اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا!"

آیتِ کریمہ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں بڑے اہم مسائل بیان کردیئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، لہٰذا صرف اشارات پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ برملا ایمان بالکتاب کا اعلان فرمادیجئے۔ یہاں "مِنْ كِتٰبٍ" کی ترکیب خاص طور سے قابلِ غور ہے۔ اس طرح اس بات کو واضح کیا جارہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن ہی کو جو خود آپؐ پر نازل ہورہا ہے، منزّل من اللہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ہر آسمانی کتاب پر ایمان لانے کا اقرار فرماتے ہیں۔ آپؐ کا معاملہ ان لوگوں کا سا نہیں جو تفرقہ میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بعض کتابوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ تمام آسمانی کتب اور صحیفے دراصل ایک ہی کتابِ ہدایت کے مختلف ایڈیشن ہیں۔ پہلی کتابیں بھی حق تھیں، لیکن وہ محفوظ نہ رہیں، محرّف ہوگئیں۔ اب ہدایتِ ربانی کا آخری اور کامل ایڈیشن یہ قرآن مجید ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان بالکتاب کے اقرار و اعلان کا حکم

اس شدّومد کے ساتھ کیوں دیا جارہا ہے۔ اس سے پہلے فرمایا جاچکا ہے: وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔۔۔ اُس وقت عملاً صورتِ حال یہ تھی کہ مشرکینِ مکہ کا حضورؐ سے ایک اہم مطالبہ یہ بھی تھا کہ آپؐ کو اس قرآن میں تبدیلی کرنا ہوگا یا کوئی دوسرا قرآن پیش کرنا ہوگا' کیونکہ اس قرآن کا موقف انتہائی سخت ہے اور یہ ہمارے معبودوں کی کامل نفی کرتا ہے جنہیں ہمارے آباء و اجداد صدیوں سے پوجتے چلے آرہے ہیں۔ قرآن کی بات تسلیم کرنے کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ ہم اپنے آباء و اجداد کو گمراہ اور کافر و مشرک تسلیم کرلیں۔ لہٰذا آپ قرآن میں تبدیلی اور لچک پیدا کیجئے یا پھر دوسرا قرآن پیش کیجئے۔ سورۂ یونس میں یہ مضمون بڑی صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (آیت ۱۵)

"اور جب انہیں ہماری روشن اور بیّن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کی بجائے کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسی میں کچھ ردو بدل کرو! (اے نبیؐ) کہہ دیجئے میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اپنی مرضی سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں۔ میں تو خود اس کے اتّباع پر مجبور ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے خود بڑے ہولناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔"

یہی بات اختصار لیکن انتہائی جامعیت کیساتھ اس آیت میں بیان فرمائی جارہی ہے کہ: وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ "برملا کہہ دیجئے کہ میں تو خود یقینِ محکم رکھتا ہوں اس پر جو اللہ نے کتاب میں سے مجھ پر نازل کیا ہے"

اگر میں یہ باتیں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوتا تو مجھے اس میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار بھی ہوتا۔ اگر یہ میرے اپنے نظریات ہوتے' میرا اپنا پروگرام ہوتا' اپنا پارٹی منشور ہوتا جس کو چند لوگوں نے مل جل کر باہمی مشاورت سے بنایا ہوتا تو مصلحت کے پیش نظر اس میں ردو بدل یا تنسیخ و ترمیم کا معاملہ ہو سکتا تھا۔ ہماری سیاسی پارٹیاں تو آئے دن وقتی کامیابی اور مصلحت کی خاطر اپنے بنیادی اصولوں تک میں تبدیلیاں کرتی رہتی ہیں۔ ایک طرف یہ دعویٰ کہ ہمارا

نصب العین اسلامی نظام کا قیام ہے اور دوسری طرف یہ حال کہ بحالیٔ جمہوریت کے لئے اسلام دشمنوں سے اتحاد کر لیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ علی الاعلان کہہ دیجئے کہ میں تو قرآن کا ایک شوشہ تک بدلنے کا مجاز نہیں ہوں' میں خود اس کا پابند ہوں جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے' جیسا کہ سورۂ یونس کے ضمن میں حوالہ دیا جا چکا۔ **القرآنُ یفسّر بعضہٗ بعضًا** (قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر بیان کرتا ہے) کے اصول کے پیش نظر سورۂ یونس کی ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (آیت ۳۷)

"اور یہ قرآن وہ چیز ہے ہی نہیں جو اللہ (کی ہدایت) کے بغیر گھڑ لی جائے' بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آچکا تھا اس کی تصدیق اور "الکتاب" کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کائنات کے پروردگار کی طرف سے ہے۔"

نظامِ عدل کا قیام

اس سے اگلے ٹکڑے میں فرمایا گیا:

وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان (نظام) عدل قائم کروں!"

سورۂ ھود کے آغاز میں' جو زمانہ نزول کے لحاظ سے مکی سورت ہے' یہ اصول بیان ہوا کہ:

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ○

"ا ل ر۔ یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں' پھر ان کی تفصیل کی گئی اس (اللہ) کی طرف سے جو بڑا دانا اور باخبر ہے۔"

مطلب یہ ہوا کہ نزولِ قرآن کے ابتدائی یعنی مکی دور میں چھوٹی چھوٹی آیات میں وہ بنیادی احکام اور اٹل اصول بیان فرمائے گئے جن پر دعوت اسلامی اٹھ رہی تھی اور جو اقامتِ دین کی جدوجہد کے اساسی اور اصولی نکات کی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر دعوتِ اسلامی کے تدریجی ارتقاء کے دوران مختلف مراحل میں ان ہی نکات کی شرح و تفصیل کی گئی۔ مثال کے طور پر

سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات پر' جو آغازِ وحی کے دور کی آیات ہیں' تدبر کیجئے۔ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ○

"اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! کھڑے ہو جایئے اور (لوگوں کو ان کے عقائد و اعمال کے انجام بد سے) خبردار کیجئے' اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجئے!"

ان آیات میں سے تیسری آیت (وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ) خاص طور سے لائقِ توجہ ہے۔ تکبیر کا لغوی مطلب کسی کو بڑا کرنا ہے۔ یعنی کسی بالا تر اقتدار کی بالادستی اور کبریائی کا اقرار' اعلان اور قیام اس کی "تکبیر" ہے۔ "تکبیرِ رب" کے حکم میں فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اختصار کے لحاظ سے دعوتِ اسلامی کا ہدفِ مقصود مکمل طور پر موجود ہے' لیکن آگے چل کر اس جدوجہد کے مختلف مراحل میں حسبِ موقع اس حکم کی تفصیل و تشریح کی گئی۔ جیسے سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف (مدنی دور کی سُوَر) میں اس مفہوم و مدعا کو اسطرح واضح کیا گیا ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

"وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ (قرآن مجید) اور دینِ حق (نظامِ عدلِ اجتماعی) دے کر تاکہ وہ اس (دین) کو تمام جنس دین (نظام ہائے اطاعت) پر غالب کر دے!"

اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۳ میں فرمایا:

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ

"اور ان (مشرکوں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہنے پائے اور دین (نظام اطاعت) صرف اللہ ہی کا ہو جائے!"

آیتِ زیرِ درس میں یہی بات ایک دوسرے اسلوب سے اجمال کے ساتھ بطورِ اصول بیان ہوئی ہے جس میں حضورؐ سے برملا اعلان کرنے کا کہا گیا کہ آپؐ فرما دیجئے کہ:

وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان (نظامِ) عدل قائم کروں!

یعنی میں محض واعظ اور مبلغ بن کر نہیں آیا۔ اگر تم اس مغالطے میں مبتلا ہو تو حقیقت نفس الامری سے بہت دور ہو ـــــ مجھے تو حکم ملا ہے کہ تمہارے مابین اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کروں۔ میرا موقف تو یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور شریعت

کے مطابق یہ نظام عدل قائم نہیں ہوتا میرا مشن تکمیل نہیں پاتا۔ میں شاہد بھی ہوں' مبشر ونذیر بھی اور داعی الی الخیر بھی ہوں' مذکّر و واعظ' مربّی و مزکّی' معلّم و مدرّس اور رحمت و رأفت بھی ہوں' لیکن اس کے ساتھ ہی میں اس پر بھی مامور ہوں کہ میں عدل و انصاف کا نظام قائم کروں' لوگوں کے مابین موجود ظلم و استحصال ختم کروں اور بحیثیت رسول' اللہ کے دین (نظامِ حیات) کو تمام نظام ہائے زندگی اور نظام ہائے اطاعت پر غالب کردوں۔ (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ)

حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہم نے کتاب اللہ سے رہنمائی اور ہدایت طلب کرنا چھوڑ دی' اسے صرف حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنالیا اور اسے ریشمی جزدانوں میں لپیٹ کر احتراماً طاقوں کی زینت بنادیا تو ہم اس مقصد ہی کو فراموش کر بیٹھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا امتیازی مقصد اور ختمِ نبوت کا لازمی تقاضا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس وہ نظامِ عدلِ اجتماعی قائم فرمائیں جو ظلم و جور اور تعدّی سے پاک ہو۔ ظاہر ہے کہ اس عادلانہ نظام کا دستور اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرماسکتا ہے جو مالک الملک' احکم الحاکمین اور رب العالمین ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں یہ نظامِ عدل و قسط جزیرہ نمائے عرب کی حد تک قائم فرمادیا اور اپنے بعد یہ فریضہ امت کے سپرد فرمایا۔

نظامِ عدل کی ہمہ گیری

عادلانہ نظام اسی نظامِ حیات اور دستورِ زندگی کو کہا جاسکتا ہے جو زندگی کے محض ایک جزو سے تعلق نہ رکھتا ہو بلکہ انسان کی انفرادی و اجتماعی پوری زندگی پر محیط ہو۔ یہ عدل اعتقادی و نظریاتی بھی ہوگا' یعنی اس کی اساس توحید ہوگی اور یہ ہر قسم کے شرک کی نجاست سے پاک ہوگا۔ یہ نظام عبد اور معبود کے مابین صحیح تعلق بھی قائم کرے گا۔ یہ بندے کو بتائے گا کہ اس کے مالک کے حقوق کیا ہیں اور اس کی ایسی تعلیم و تربیت کرے گا کہ جس کی بدولت وہ دل کی آمادگی' شوق و ذوق اور والہانہ محبت کے ساتھ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے ہمہ وقت تیار بلکہ بے قرار رہے گا۔ یہ عدل معاشی میدان میں بھی ہوگا' جیسا کہ سورۃ الحشر میں فرمایا گیا: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (آیت ۷) "تاکہ (مال و اسباب اور دولت) صرف

تمہارے تونگروں ہی کے درمیان گردش میں نہ رہیں!" لہٰذا اس نظامِ عدل میں ایسے تمام طور طریقے استعمال کیے جائیں گے کہ سرمایہ صرف امیروں کے الٹ پھیر میں نہ رہ جائے ---- اور یہ عدل معاشرتی میدان میں بھی ہوگا۔ اس نظامِ عدل میں نہ تو کسی کو نسل و نسب، رنگ و زبان اور وطن و مکان کی بنیاد پر کوئی امتیاز حاصل ہوگا اور نہ ہی مال و منال، منصب و وجاہت اور شہرت و حشمت کی بنیاد پر کوئی عزّ و شرف حاصل ہوگا۔ بلکہ فضیلت و امتیاز کا معیار صرف "تقویٰ" ہوگا، از روئے الفاظِ قرآنی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شرف والا وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو! ---- پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوا کر کہ "اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" ان تمام امور کا احاطہ کرلیا گیا جو عدل کے مفہوم و مدعا کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی کا نام اقامتِ دین اور اظہارِ دین ہے۔ اسی کا حکم حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کے الفاظ میں دیا گیا ---- اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو امتیازی شان ہی یہ مقرر ہوئی کہ وہ اس حکم کی بالفعل تکمیل فرمائیں تاکہ تا قیامِ قیامت بنی نوعِ انسان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے!

الکتاب والمیزان

میں چاہتا ہوں کہ اس گفتگو کے اختتام سے قبل اس موقع پر آپ کے سامنے اسی سورۃ الشوریٰ کی سترہویں آیت اور سورۃ الحدید کی پچیسویں آیت کا حوالہ بھی پیش کردیا جائے جو درحقیقت اسی ارشادِ ربانی کی شرح ہے کہ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ---- چنانچہ سورۃ الشوریٰ کی سترہویں آیت کی ابتداء میں فرمایا:

اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ

"وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ الکتاب (قرآن مجید) اور المیزان (شریعت) نازل فرمائی ہے!"

اور سورۃ الحدید کی ۲۵ویں آیت میں فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

"بے شک ہم نے اپنے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ الکتاب اور المیزان اتاری تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں!"

ان دونوں آیات کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے جتنے بھی رسول مبعوث فرمائے اور جتنی بھی کتابیں نازل فرمائیں ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ رسول ان کتبِ الٰہی کے ذریعے وہ المیزان نصب کردیں جس سے ایک ایسا انسانی معاشرہ وجود میں آئے جس کی اساس عدل و قسط پر قائم ہو۔ عادلانہ نظام کی صحیح تعبیر کے لئے "المیزان" (ترازو) سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو استعمال فرماتے۔ میزان (ترازو) کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو تولتا ہے اور اس کے صحیح وزن کو مقرر کرتا ہے۔ چنانچہ دینِ حق در حقیقت "المیزان" ہے جس میں ہر ایک کا حق متعین کردیا گیا ہے۔ اللہ کا دین یہ بتاتا ہے کہ کس کا کیا حق ہے' کس پر کیا واجب ہے' فرائض کیا ہیں اور حقوق کیا ہیں اور ان کے مابین توازن کس قدر ضروری ہے اور ان کی بالفعل ادائیگی کس طرح سے ہونی ہے۔

اس "المیزان" کے قیام اور اس کو بروئے عمل لانے کے لئے قوتِ نافذہ ضروری ہے اور اس قوتِ نافذہ (حکومت) کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے تابع کردینا ہی اقامتِ دین و اظہارِ دین ہے۔ جب تک یہ فرض انجام نہ دیا جائے یا انجام دینے کی سعی و جہد میں اپنے جسم و جان کی توانائیاں نہ لگائی جائیں اور اپنا مال نہ کھپایا جائے' ایمان باللہ' ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ دین کے حصے بخرے کردینے اور نظامِ سیاست و حکومت کو دین سے علیحدہ کرکے محض وعظ و نصیحت اور عبادات و نوافل کے فضائل بیان کردینے سے دین کا منشأ پورا نہیں ہوتا۔

خاتمۂ کلام

آگے فرمایا:

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ

"(اے نبیؐ کہہ دو) اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہ تمہارا رب بھی ہے!"

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ

"ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔"

یعنی میرے اور تمہارے درمیان ایک نزاع اس طرح ختم ہوتا ہے کہ میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں وہ دین سمجھ کر اور حق سمجھ کر پیش کر رہا ہوں' میں جو کچھ کر رہا ہوں اسے اپنا فرض سمجھ کر کر رہا ہوں اور اس کی جزاء میں اپنے رب سے پاؤں گا۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں خود غور کرو' اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو' اگر یہ نفس پرستی ہے' بددیانتی ہے تو اس کی جوابدہی تم کو کرنا ہوگی۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

ہمارے تمہارے درمیان حجت بازی' بحث و تمحیص اور مناظرے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کو جمع کرے گا۔ ایک دن وہ آئے گا جس دن تمام معاملات طے ہو جائیں گے اور آخر کار اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ جانا ہے۔ سارے معاملات وہاں فیصل ہونگے کہ کس کی کیا ذمہ داری تھی اور اس نے بالفعل کیا کیا؟ کس کا کیا موقف تھا؟ وہاں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی۔

آخر میں میں چاہتا ہوں کہ "اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ" کے حکم کو آپ ان اصطلاحات کے ساتھ اپنے ذہنوں میں تازہ کرلیں جو اس سلسلۂ تقاریر میں بیان کی گئیں۔ دین کا بنیادی اور اساسی تقاضا اور اس کی پہلی منزل "عبادتِ رب" ہے' جس کا لازمی تقاضا "فریضۂ شہادت علی الناس" کی ادائیگی ہے' جو دین کی عمارت کی دوسری اور بلند تر منزل ہے۔ جبکہ اس کا حتمی اور تکمیلی تقاضا اور بلند ترین منزل "اقامتِ دین ہے"!!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

اقول قولی هذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

ضرورت رشتہ

دینی تعلیم یافتہ' تدریس کے شعبہ سے منسلک' گھریلو' باپردہ' دینی مزاج کی حامل خاتون کیلئے رشتہ درکار ہے۔ لاہور اور مضافات سے رجوع فرمائیں ـــــ رابطہ کے لئے ابو عبداللہ' معرفت قرآن کالج' ۱۹۱ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

دعوت و تحریک

تحریک الاخوان المسلمون

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۹ء تک (۲)

— قاضی ظفرالحق —

مصر کی کامل آزادی: برطانیہ نے مصری حکومت سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دے تو برطانیہ مصر کو تحفظات کی زنجیروں سے آزاد کردے گا۔ جنگ کے دوران مصر میں حکومتوں کے عدم استحکام کے سبب سے جو دراصل پیدا کردہ ہی برطانیہ اور فرانس کا تھا، برطانیہ کو مصر میں اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کا موقعہ مل گیا۔ اور اب برطانیہ کی نیت مصر کو آزاد کرنے کی نہیں رہی تھی چنانچہ اس کا ارادہ یہ نظر آتا تھا کہ مصر میں اپنی مرضی کی حکومت مسلط کرتا رہے اور اس سے جس طرح کے معاہدے چاہے کر کے مصر کو جکڑ لے۔ الاخوان المسلمون کے بانی مرشدِ عام خوب اچھی طرح اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ برطانیہ کے پنجۂ استبداد سے گلوخلاصی کا بہترین موقع یہی ہے۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو نجانے پھر کب آزادئ کامل کا خواب پورا ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے وزیر اعظم محمود فہمی نقراشی پاشا کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مصر کی کامل آزادی اور استقلال کا اعلان کرے ورنہ مستعفی ہو جائے۔

نقراشی پاشا نے اس وقت جبکہ مصر میں آزادئ کامل کا مطالبہ پورے جوش و خروش سے لگایا جا رہا تھا، کوشش کی کہ تاخیری حربے استعمال کر کے اپنے آقاؤں کو بھی خوش رکھے اور عوام کے جذبات بھی رفتہ رفتہ ٹھنڈے کردے لیکن الاخوان المسلمون اُس کے اِس دھوکہ میں آنے والے نہیں تھے چنانچہ اُن کی قیادت میں مصری عوام غیر ملکی سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہادِ آزادی کا صور پھونک دیا گیا۔ الاخوان المسلمون کے اخبارات و رسائل اس جہاد میں نقیب کا کردار ادا کرنے لگے۔ تعلیم گاہیں اس جہاد کا مرکز بنیں اور قریہ قریہ گلی گلی آزادی کی جنگ لڑی جانے لگی۔ حکومت نے اپنی پوری قوت

سے اِس تحریک کو کچلنا چاہا۔ نتیجتہً بے شمار جانیں تلف ہوئیں۔ اسی اثنا میں حادثۂ جسرِ عباس پیش آگیا جسے آپ مصر کا حادثۂ جلیانوالہ باغ بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اس حادثہ کے نتیجہ میں نقراشی پاشا کو مستعفی ہونا پڑا۔ اب انگریز اور شاہ فاروق ایک پرانا مہرہ سامنے لائے یعنی صدقی اسماعیل پاشا۔ یہی وہ حضرت ہیں جنہیں ۱۹۳۹ء میں شاہ فواد نے گورنمنٹ توڑ کر اور آئین معطل کر کے متعارف کرایا تھا۔

۱۹۴۶ء میں جب حسن البنا شہید ایک وفد کے ہمراہ حج کرنے گئے ہوئے تھے' الاخوان المسلمون کے نائب مرشدِ عام سمیت ساری قیادت گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دی گئی۔ اخبارات و رسائل کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ الاخوان المسلمون کے کارکنان کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا۔ اگر رعایت برتی تو معطلی یا تبادلہ عمل میں لایا گیا۔ ان کے جلسوں اور جلوسوں کے اوپر فوج اور پولیس کے حملے حقیقی میدانِ جنگ کا منظر دکھانے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض دفعہ بعض مقامات پر یہ جلوس منظم مظاہروں سے ہٹ کر ہنگامہ پرور ہجوم میں بھی بدل جاتے۔ کہیں کہیں تھانے لُوٹنے اور دیگر قومی املاک کو تباہ کرنے کی غلطیاں بھی ہوئیں۔ مگر ایسا ہونا تو اس وقت ناگزیر ہو ہی جاتا ہے جب غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ عوام اپنے بپھرے ہوئے جذبات لئے کسی تحریک میں آ شامل ہوں۔

ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہئے کہ کوئی جماعت کتنی ہی وسیع اور منظم کیوں نہ ہو بپھرے ہوئے عوام کو پوری طرح قابو میں نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے کہ سب عوام کی تربیت نہیں کی جا سکتی اور عوام کے بغیر کوئی تحریک بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ تحریک کی کامیابی جبھی ممکن ہوتی ہے جبکہ اس میں عوام پوری قوت سے اور پورے جذبے سے شریک ہوں۔ اس مرحلہ پر بے قاعدگیاں کم تو کی جا سکتی ہیں بالکل ختم نہیں کی جا سکتیں۔ ہمیں امید ہے کہ الاخوان المسلمون کے ناقدین اِس پہلو پر بھی غور کریں گے۔

الاخوان المسلمون کے کارکنان نے اس تحریک میں بے نظیر قربانیاں پیش کیں۔ ان کے کاروبار تباہ ہوئے' ملازمتیں ختم ہوئیں' ان کی قیادت پابندِ سلاسل کی گئی' ان کے ساتھ عزت اور رعایت کے ہر رویّے کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ فوجیوں اور پولیس کے عملہ نے وہ مظالم ڈھائے جو خود انگریز بھی نہ ڈھا سکتے۔ ان کی خواتین کی ان کی آنکھوں

کے سامنے بے حرمتی کی گئی، ان کے گھروں میں گھس کر فوجیوں اور سرکاری گماشتوں نے لوٹ مار کی اور گھر کی ہر چیز تباہ و برباد کر دی۔ ان کے جوان جہان بیٹے گرفتار ہو کر گئے اور لوٹ کر نہ آئے۔ غرضیکہ وہ سب کچھ ہوا جو کہ ایک تحریکِ آزادی میں ہوتا ہے۔ اِس فرق کے ساتھ کہ حکم و اشارہ غیروں کا اور عملدر آمد کا کارنامہ ہموطنوں کا انجام دیا ہوا تھا مگر انہوں نے آفرین ہے کہ تحریک کو کمزور نہیں پڑنے دیا۔ بالآخر صدقی اسماعیل پاشا کو مستعفی ہونا پڑا۔ اب ایک دفعہ پھر محمود فہمی نقراشی پاشا کو وزارتِ عظمیٰ کی دعوت دی گئی۔ یہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔

اِس سارے جہادِ آزادی کے دوران سیاسی پارٹیوں کا کردار بڑا ناقابلِ فہم رہا۔ محمود سلینی کی حزب الاحرار اور سعد زغلول کی وفد پارٹی مصر کی کامل آزادی کی داعی تھیں مگر اس سارے عمل میں خاموش تماشائی بنی رہیں۔ حزب السعد یین کا دعویٰ تھا کہ سعد زغلول کے اصل نظریۂ آزادی کی وارث وہی جماعت ہے مگر انگریزوں کے اشارہ پر ان ستم رانیوں میں سب سے آگے آگے سعدی ہی رہے۔ اسی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تھوڑے سے صبر کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا اور باقی جماعتوں کو بھی کسی طرح اِس عمل میں شریک کر لیا جاتا تو شاید نتائج کچھ مختلف ہوتے کیونکہ جہادِ آزادی یا انقلابِ نظام کا کارنامہ کبھی بھی کوئی جماعت تنِ تنہا سرانجام نہیں دے سکی۔

قضیۂ فلسطین جو اس جہادِ آزادی کی جلتی تحریک پر تیل کا کام کر رہا تھا اسے بھی سمجھنا ضروری ہے تاکہ الاخوان المسلمون سے بین الاقوامی قوتوں کی دشمنی اور اس کی چالیس سالہ طویل بندش کی وجہ سمجھ میں آسکے۔

قضیۂ فلسطین: انیسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر کے سیاسی حالات پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ قوم پرستی کی پیدائش کا عرصہ ہے اور قوم پرستی کی بنیاد یورپی ممالک میں نسل بنی چنانچہ یہودی جو کہ سارے عالم میں پھیلے ہوئے تھے جابجا نسلی تعصبات کا شکار ہونے لگے۔ اِس سے پہلے بھی انہیں نشانہ بنایا جاتا تھا مگر اس کا سبب مذہب بنتا تھا چنانچہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جاتے تھے۔ مگر جب نسلی قومیت کی تحریکوں نے ان کے لئے ہر ملک کی زمین تنگ کر دی تو انہوں نے ایک یہودی وطن کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ پہلے پہل یہ تصوّر دنیا کے کسی بھی کونے میں

اپنے وطن کی خواہش کی صورت میں ابھرا اور پھر رفتہ رفتہ فلسطین میں یہودی مملکت کی تشکیل سے مخصوص ہوگیا۔ اِس ارتکازِ توجہ کا اصل بانی مبانی ڈاکٹر تھیوڈور ہرتسل تھا جس نے عالمی صیہونی تنظیم (World Zionist Movement) کی بنیاد رکھی۔ صیہون فلسطین میں یروشلم کے مقام پر واقع ایک پہاڑی کا نام ہے اُسی سے اِسے موسوم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہرتسل نے ایک یہودی سرمایہ دار حاخام قرہ صو آفندی کو سلطان عبدالحمید کے پاس اس مقصد کے لئے بھیجا کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنا دینے کا وعدہ کرلے تو یہودی سرمایہ دار خلافتِ ترکی کے ذمہ واجب الادا سارے قرضے ادا کردیں گے مگر چھ سال کی لگاتار کوششوں کے باوجود سلطان راضی نہ ہوا حتیٰ کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ " یہودیوں کو فلسطین اُسی وقت مل سکتا ہے جب خلافت کے ٹکڑے ہو جائیں "۔ اس بات کو یہودیوں نے اپنے پلّہ سے باندھ لیا اور خلافت کے خاتمہ کی سازشیں کرنے لگے۔ یہ کوئی اتفاقی بات تو نہیں کہ تنظیمات نے خلیفہ کی معزولی کا حکمنامہ جس شخص کے ہاتھ بھیجا وہ وہی خلیفہ کو دھمکیاں دے کر رخصت ہونے والا حاخام قرہ صو آفندی تھا۔

فرانس اور برطانیہ جو جنگِ عظیم اوّل سے پہلے دو بڑی طاقتیں تھیں بُری طرح یہودیوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی اور ان کے سرمایہ کی محتاج تھیں چنانچہ برطانیہ نے صیہونی تنظیم کو کینیا میں ایک مملکت بنا دینے کی پیشکش کی مگر یہودیوں کی اکثریت نے اسے ٹھکرا دیا کیونکہ وہ فلسطین کے خواب آنکھوں میں بسائے ہوئے تھے۔ جنگِ عظیم اوّل کی ہولناکیوں نے فرانس اور برطانیہ کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا۔ ایک تو امریکہ برطانیہ کی تجارتی منڈیوں پر قابض ہوتا چلا جا رہا تھا اور دوسری طرف جنگ کے اخراجات جمع پونجی داؤ پر لگا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

ان حالات میں یہودی سرمایہ داروں کی اس پیشکش میں بڑی کشش تھی کہ فلسطین کے بدلہ سارے اخراجات کا خسارہ اور قرضوں کی ادائیگی ان کے ذمہ ہوگی۔ نو آبادیات اور مقبوضات کے حالات اور برطانوی معیشت کی تباہی پہلے ہی اس بات کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کر رہے تھے کہ جلد یا بدیر ان ممالک کو آزاد کرنا ہی پڑے گا۔ ایسے میں کیا یہ نہایت نفع بخش سودا نہیں تھا کہ عربوں کے سینے میں یہودیوں کی مملکت کا خنجر اتار کر

عربوں کی آزادی اور خود مختاری کی تحریکوں کو ایک مستقل اقلیت اور مقامی سطح کے مقابلہ کی پریشانی سے تنگ بھی کیا جائے اور اپنے کسی بھی نقصان کا مبادلہ کئے بغیر ایسے مالی فوائد بھی حاصل کر لئے جائیں جو کہ برطانوی مملکت کو کئی عشروں تک سنبھالے رکھیں۔ یقیناً ایک بے ضمیر اور اسلام دشمن صلیبی قوت کے لئے ایسا کرنا بڑا راحت بخش تھا۔ چنانچہ اِس پس منظر میں برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ آرتھر جیمز بالفور نے یہودی تنظیم کو ایک عہدنامہ لکھ کر دیا کہ برطانیہ یہودی مملکت بنانے میں صیہُونی تنظیم کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرے گا۔ یہ ۱۹۱۷ء کی بات ہے جب جنگ جاری تھی اور ترکی کے خلاف عربوں کا تعاون جنگ کے بعد آزادی کے وعدوں کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا۔

صیہُونی ذہن فلسطین میں اس عہدنامہ سے قبل بھی پیش رفت میں مصروف تھا۔ چنانچہ ۱۸۴۵ء میں فلسطین میں یہودی آبادی صرف بارہ ہزار تھی، ۱۸۸۱ء تک بڑھ کر ۲۵ ہزار ہوگئی مگر یہ آباد کاری نہایت سست رفتار تھی۔ ۱۹۱۷ء کے بعد ۵۳ ہزار سے بڑھ کر ۱۹۲۲ء تک ۸۳ ہزار ہوگئی۔ فرانس بھی یہودی سرمایہ داروں کے دام کا اسیر تھا۔ اس لئے ایک قوم کے وطن میں زبردستی دوسری قوم کا وطن بنا دینے کے اس ظلم میں وہ بھی پوری طرح شامل ہوگیا اور جنگ کے بعد جب نام نہاد مجلسِ اقوام (League Of Nations) قائم ہوئی تو فلسطین کو برطانوی انتداب میں دے دیا گیا اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہاں یہودیوں کی آباد کاری کے کام میں ان کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے اور اس سلسلہ میں صیہُونی تنظیم کو بھی شریک کرے جسے یہودیوں کی واحد نمائندہ تنظیم کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ دو سُپر طاقتوں کے تعاون اور نگرانی میں یہ زبردستی کا وطن بننا شروع ہوگیا اور ۱۹۳۹ء تک یہودیوں کی تعداد ساڑھے چار لاکھ ہوگئی۔ جنگِ عظیم دوم میں جرمنی سے فرار ہونے والے یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقہ سے فلسطین میں داخل ہونے لگے اور مکمل برطانوی تحفظ میں صیہُونی ایجنسی انہیں آباد اور منظم و مسلح کرتی رہی۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک عربوں اور یہودیوں میں جو تصادم ہوئے تھے ان کے پیشِ نظر برطانیہ نے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کر دی تھی یعنی حیفہ اور یافا وغیرہ کا زرخیز ساحلی علاقہ یہودیوں کو، صحرائے نجب اور اس کے قریب کا علاقہ

عربوں کو اور بیت المقدس کے گرد و نواح کے مقدس مقامات سمیت بین الاقوامی نگرانی میں دے دیئے جائیں مگر مفتی اعظم جو اُس وقت اِس جہاد کے نگران اعلیٰ تھے اِس صریح دھاندلی پر مبنی تقسیم کے لئے راضی نہ ہوئے۔ قدم بقدم اسرائیلی ریاست کی طرف بڑھنے والی صیہونی تنظیم نے جنگ میں ۷۵ ہزار یہودیوں کو مختلف ناموں سے مسلح کر کے منظم کیا اور ان تنظیموں نے جن میں یورپی ممالک کی فوجوں میں کام کر چکنے والے سابق فوجی بھی ہزاروں کی تعداد میں شامل تھے' عربوں پر مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کی بجلیاں بن کر چمکنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں بے شمار عرب قتل ہوئے' ہزاروں جلاوطنی کی زندگی گزارنے اور سینکڑوں نقل مکانی کر کے زیادہ آبادی کے فلسطینی علاقوں میں جا بسنے پر مجبور ہوگئے۔ اس طرح یہودیوں نے فلسطین کا ایک حصّہ خالی کرا لیا اور وہاں عرب ڈھونڈے پر بھی نہیں ملتے تھے۔

الاخوان المسلمون کے فرقۃ الرحلات کے ماتحت مجاہدین اپنے عرب بھائیوں کی مدد کے لئے دستوں کی صورت میں جاتے رہتے تھے اور اس طرح اپنے بھائیوں پر ہونے والے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر واپس آتے اور ان کی برطانیہ سے نفرت میں جو مصر کے مسائل کی طرح فلسطین کے مسائل کا بھی پورا پورا ذمّہ دار تھا' اضافہ ہو جاتا۔ نفرت کی اس لہر میں اُس وقت تو نہایت جوش پیدا ہوگیا جب برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں اس انداز سے پیش کیا کہ گویا یہ ایک ایسا وطن ہے کہ جس پر اصلاً حکومت کے حق دار یہودی ہیں مگر عربوں کے خوف سے وہ اِس حق سے محروم ہیں۔ اس لئے انہیں اقوامِ متحدہ تحفظ فراہم کرے تاکہ وہ اس حق کو حاصل کر سکیں۔ یہ گویا ایک صلیبی قوت کا دوسری بڑی صلیبی قوتوں کو ان کے فرائض کی یاددہانی اور سبکدوش ہونے والی اسلام دشمن طاقت کا چارج سنبھالنے والی قوت کو اس کی ذمّہ داریوں کا احساس دلانے والا معاملہ تھا۔ ہر انصاف پسند طبیعت اِس کھلی نا انصافی اور بے ضمیری پر جھنجھلا اٹھی۔ چنانچہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں اس قرارداد کی منظوری کے لئے استعمال کئے جانے والے امریکی حربے اور اسرائیل کی خاطر کمزور ملکوں کی بلیک میلنگ ایک ناقابلِ تلافی جرم اور کلنک کا داغ ہے۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ نے امریکی شکنجہ میں پھنسے ایک نچیر کی طرح اس کی

مرضی تسلیم کرتے ہوئے فلسطین کی تقسیم کی منظوری دے دی۔ اس پر سارے عرب میں شدید احتجاجی تحریک اٹھی اور مصر کی تحریکِ آزادی میں شدید جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جامعہ الازہر سے الاخوان المسلمون نے ایک عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت شیخ حسن البنا فرما رہے تھے۔ ۹ اپریل ۱۹۴۸ء کو دیر یاسین میں امریکہ و برطانیہ کی زیر سرپرستی چلنے والی مسلح صیہونی تنظیموں نے سینکڑوں نہتے عرب باشندے قتل کر ڈالے جن سے برطانوی ہائی کمشنر نے گھروں میں استعمال ہونے والے بڑے چاقو بھی چھین لئے تھے تاکہ "امن و امان" کا مسئلہ پیدا نہ ہو۔ ان کے گھر جلا دیئے اور عرب عورتوں اور لڑکیوں کو برہنہ کر کے ان کے جلوس نکالے اور ان کے ساتھ جگہ جگہ نہایت انسانیت سوز اور شرمناک حرکتیں کیں۔ اس عمل کے اَجزا جگہ جگہ دہرائے گئے۔ اس پر ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو الاخوان المسلمون کی مجلسِ اساسی کا اجلاس ہوا جس میں متفقہ طور پر مصر اور دیگر عرب ممالک سے اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد کرنے اور فلسطین کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی الاخوان کے دستوں کو مسلح اور منظم کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو صیہونی ایجنسی نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں پہلے ہی پوری کر چکا تھا اور اس نے تنظیم، اسلحہ اور آبادکاری کے معاملہ میں صیہونی ایجنسی کو مکمل خود کفیل کر دیا تھا اور تمام حکومتی مناصب یہودیوں کے پاس تھے۔ ابھی جنرل اسمبلی میں بحث جاری تھی کہ اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوگیا اور روس اور امریکہ نے آگے بڑھ کر اسے تسلیم کر لیا۔ اس پر ۱۵ مئی کو آس پاس کے پانچ عرب ملکوں نے اسرائیل کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور فلسطین میں جا گھسے مگر اردن کے سوا کسی کو بھی حقیقی کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ ان ممالک کی حکومتیں برطانیہ اور امریکہ کی طفیلی تھیں اور فوجیں انہی کے افسروں کے ماتحت، اور پھر یہ کہ حکومتوں میں موجود غدار ذہن نہ صحیح معلومات مہیا کرتے نہ ہی انہوں نے کارآمد اسلحہ پہنچنے دیا۔

انقلاب کے بعد مصر میں اس امر کا حکومتی سطح پر اعتراف کیا گیا کہ شاہ فاروق اور نقراشی پاشا نے برطانیہ کے اشارہ پر فوجوں کو ناقص اسلحہ فراہم کیا تھا۔ ایسے میں الاخوان

المسلمون ہی ایک خطرہ رہ گئے تھے جو کہ دس ہزار کی تعداد میں فلسطین میں داخل ہو کر اپنے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے یہودیوں کے چھکّے چھڑائے دے رہے تھے۔ صاف نظر آتا تھا کہ اس تنظیم کی موجودگی میں اسرائیل کا خواب تعبیر حاصل نہ کر سکے گا۔ چنانچہ امریکہ' برطانیہ' فرانس اور روس کے سفیروں کی برطانوی فوج کے مستقر میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں مصر سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ الاخوان المسلمون پر پابندی عائد کر دے جو کہ اس سے پہلے عدالت نے اٹھا دی تھی۔

شاہ فاروق اور نقراشی پاشا بھی پریشان تھے کیونکہ ایک تو ان کے آقا مصر سے ناراض ہو سکتے تھے دوسرے مصر میں اور عرب ممالک میں الاخوان المسلمون کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں دن دگنا رات چوگنا اضافہ ہو رہا تھا۔ اس بات کا شدید' خطرہ' تھا کہ یہ تحریک عرب میں انقلاباتِ اسلامی کی پے درپے موجوں کا ایک سیلاب تہ بن جائے۔ چنانچہ یہودیوں' انگریزوں اور ضمیر فروش شاہ و وزیر کی ملی بھگت سے ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ایک مارشل لاء آرڈیننس کے ذریعہ الاخوان المسلمون کو پابند کر دیا گیا۔ اس کی ساری صفِ دوّم گرفتار کر لی۔ پریس' اخبارات اور رسائل ضبط کر لئے۔ زندان الاخوان کے کارکنان سے بھر دیئے گئے اور اس وقت جبکہ وہ جہادِ فلسطین میں سرفروشیاں دکھا رہے تھے' ان کے ٹریننگ سینٹر تباہ کر دیئے گئے اور جہاد میں استعمال ہونے والا اسلحہ غیر قانونی قرار دے کر ضبط اور مالکان عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے۔ نیز جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا مصر میں سخت ہنگامہ ہوا۔ ایک نوجوان نے اس غداری کی سزا میں نقراشی پاشا کو گولی مار دی۔

ابراہیم عبد الہادی پاشا وزیر اعظم ہوا اور اس کے دور میں حسن البنّا کے قتل کا فیصلہ کر لیا گیا۔ حسن البنّا نے حکومت کی نیّت بھانپ کر بار بار گرفتاری پیش کی مگر حکومت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو حسن البنّا کو مذاکرات کے بہانہ ایک وزیر نے جمعیت شُبان المسلمین کے مرکزی دفتر بلایا۔ امام شہید گئے مگر وزیر نہ آیا۔ جب آپ مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو علاقہ کی بجلیاں گُل ہو گئیں اور ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے آپ کو گولیاں ماری گئیں۔ حسن البنّا خود دفتر میں واپس ہوئے اور فرمایا مجھے قتل کر دیا گیا ہے۔ ایمبولینس آئی' حسن البنّا ہسپتال پہنچے مگر حکومت نے عملہ کو جان بچانے

(باقی صفحہ ۷۳ پر)

کتابیات

چھٹا کبیرہ

سُودی معاملات کرنا

زیرِ طبع کتاب 'کبائر' کے باب دوم کی فصلِ سادس

مؤلف : ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

اللہ تعالیٰ نے جو نظامِ عدل وقسط اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے اس کا ایک تقاضا یہ ہے کہ ساری زندگی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت وفرمانبرداری میں بسر کی جائے ——— اور دوسرا تقاضا یہ ہے کہ بندے آپس میں محبت، اخوت، ایثار، ہمدردی، فیاضی اور امدادِ باہمی کے اصولوں پر زندگی گزاردیں۔ جبکہ سودی نظام کی فطرت یہ ہے کہ وہ انسان میں دشمنی، نفرت، خودغرضی، مفاد پرستی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے۔ یعنی سود پورے کے پورے اسلامی نظام کی رُوح اور اس کے اسلامی تشخص کو قتل کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کو اتنے شدید ترین الفاظ میں متنبہ کیا ہے کہ اہل شرک کے علاوہ کسی دوسرے گناہ کے مرتکب کے لیے ایسے الفاظ قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ[1]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔"

سود خور جس طرح ایک ایک پائی کی خاطر اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق بھول رہا ہوتا ہے، ہمتوں اور

---

[1] سورت البقرۃ، آیت ۲۷۸-۲۷۹

مہینوں کے حساب سے مال بڑھانے، گن گن کر رکھنے اور سنبھالنے میں منہمک ہوتا ہے، اسے قریبی سے قریبی تعلق، رشتہ داری اور قرابت کا بھی کوئی پاس یا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس مال پرستی کے باؤلے پن کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کھینچا ہے:

الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ[1]

"جو لوگ سود کھاتے ہیں اُن کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔"

انہی اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی نقصانات کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے سود کو بڑے واضح الفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[2]

"اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

زمانۂ جاہلیت اور ہدایتِ قرآنی کے آنے سے پہلے جو لوگ ایسی حرکت کر چکے تھے اُن کے بارے میں تو نرمی کی کوئی گنجائش موجود تھی، لیکن مسلمان کہلانے کے باوجود اور اللہ تعالیٰ کے واضح احکام آنے کے بعد بھی کوئی سود خوری بلکہ غلاظت خوری پر مُصر رہے تو اسے اپنا انجام اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں دیکھ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] سورت البقرۃ، آیت ۲۷۵۔

[2] سورت البقرۃ، آیت ۲۷۵۔

نوٹ: سود سے معیشت پر کس طرح کے اثرات مترتب ہوتے ہیں، تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کس طرح تباہ ہوتی ہے، سُودی بنیادوں پر قائم معیشت اندر سے کس قدر کھوکھلی اور غیر مستحکم ہوتی ہے، صدقات اور امداد باہمی کے ذریعے کس طرح معاشی ترقی اور مستحکم معاشرہ وجود میں آتا ہے، ان تمام سوالوں کے جوابات اس مختصر مضمون میں دینے ناممکن ہیں۔ تفصیل کے طلبگار سید مودودی رحمہ اللہ کی کتاب "سود" سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

فَمَنْ جَاءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[1]

"جس شخص کو اُس کے ربّ کی طرف سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ نماز فجر کے بعد صحابہ کرامؓ سے اُن کے خواب دریافت کرتے تھے۔ اسی طرح ایک موقع پر آپؐ نے خود اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج رات میرے پاس دو فرشتے آئے اور انہوں نے مجھے اُٹھا لیا اور کہا: ہمارے ساتھ چلیے، چنانچہ ہم چل پڑے۔" (پھر آپ نے چند مناظر کا ذکر کر کے فرمایا:)

. . . . "فَاَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ اَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ وَاِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ وَاِذَا عَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهٗ حِجَارَةً كَثِيْرَةً وَاِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ ثُمَّ يَاْتِي ذٰلِكَ الَّذِيْ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ فَاهُ فَيُلْقِمُهٗ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ فَيَسْبَحُ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ اِلَيْهِ فَغَرَ فَاهُ فَاَلْقَمَهٗ حَجَرًا . . . . قُلْتُ لَهُمَا: فَاِنِّيْ رَاَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا فَمَا هٰذَا الَّذِيْ رَاَيْتُ؟ قَالَ: قَالَا لِيْ . . . . وَاَمَّا الرَّجُلُ الَّذِيْ اَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحِجَارَةَ فَاِنَّهٗ اٰكِلُ الرِّبَا۔"[2]

". . . . بالآخر ہم ایک دریا پر پہنچے جس کا پانی خون جیسا سُرخ تھا، دریا میں ایک آدمی تیر رہا تھا

---

[1] سورت البقرۃ، آیت ۲۷۵۔

[2] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب آکل الربا وشاہدہ وکاتبہ۔

اور کنارے پر ایک آدمی موجود تھا، جس نے اپنے پاس بہت سارے پتھر اکٹھے کر رکھے تھے تیرنے والا آدمی تیرتا رہتا، تیرتا رہتا پھر پتھر والے کے پاس آتا اور اپنا منہ کھول دیتا۔ وہ شخص کھینچ کر ایسا پتھر مارتا کہ اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کا لقمہ بن جاتا، وہ بھاگ کر دُور چلا جاتا اور تیرتا رہتا لیکن گھوم پھر کر اس کے پاس دوبارہ پہنچ جاتا اور اپنا منہ کھول دیتا، پتھروں والا اس کے منہ پر اسی طرح پتھر مارتا۔ میں نے دونوں فرشتوں سے کہا، آج رات میں نے کئی عجیب و غریب منظر دیکھے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ تو انہوں نے مجھے بتایا: ۔ ۔ ۔ ۔ اور جس آدمی کے پاس آپ آئے تھے اور وہ تیر رہا تھا اور اس کے منہ پر پتھر مارے جا رہے تھے، وہ سود خور تھا۔"

واضح رہے کہ انبیاء کرام کے خواب بھی وحیِ الٰہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں جو شریعت میں اسی طرح دلیل ہیں جس طرح دیگر احکاماتِ الٰہی۔ خواب ہی کی بنیاد پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا فیصلہ کیا اور عملاً ممکنہ اقدام بھی کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مینڈھا بھیج کر اُن دونوں باپ بیٹے کو امتحان میں کامیاب قرار دے دیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے خواب شریعت کا حصّہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُود کو سات ہلاکت خیز گناہوں میں شمار کیا ہے، فرمایا:

"اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ" قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، وَمَا ھُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللّٰہِ ۔ ۔ ۔ ۔، ۔ ۔ ۔ ۔، وَاَكْلُ الرِّبَا ۔ ۔ ۔ [۱]

"سات ہلاکت خیز گناہوں سے دُور رہو"، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ، وہ کون کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ اور سُود کھانا۔"

زناکاری انتہائی قبیح اور غلیظ فعل ہے اور پھر کسی محرم رشتہ دار کے ساتھ بالخصوص والدہ کے ساتھ زنا کرنا تو ناقابل تصوّر حد تک بھیانک اور قابل صد لعنت و نفرت حرکت ہے، لیکن شریعتِ اسلامیہ کی نگاہ میں سُود خوری اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا جُرم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ مکمل الفاظ اور تفصیلی تخریج کے ساتھ حدیث گزر چکی ہے۔

"اَلرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا، اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ" [1]

"سود تہتر قسم کا ہے۔ اور معمولی قسم کے سود کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی اپنی والدہ سے زنا کرے۔"

اسی لیے سودی لین دین اللہ تعالیٰ کے شدید غصے اور غضب کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَا ظَھَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِیْ قَرْیَۃٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَذَابَ اللّٰہِ" [2]

"جب کسی بستی کے رہنے والوں میں زنا اور سود عام ہو جائے تو بلاشبہ انہوں نے خود اللہ کے عذاب کو اپنے اُوپر مسلط کر لیا۔"

سُود اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر قابلِ ملامت و لعنت ہے کہ اس کاروبار سے متعلق کسی معنی میں شرکت، تعاون یا خدمت اللہ کو گوارا نہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"لَعَنَ اللّٰہُ آکِلَ الرِّبَا وَمُوْکِلَہٗ وَشَاھِدَیْہِ وَکَاتِبَہٗ۔
وَقَالَ: ھُمْ سَوَاءٌ" [3]

"اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، اس کے دونوں گواہوں

---

[1] المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب ان اربی الربا.... امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ محدث العصر الشیخ الالبانی نے اس حکم کی توثیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر ۱/۶۶۳ حدیث ۳۵۳۹۔
اسی معنی کی ایک حدیث امام طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الاوسط میں ذکر کی ہے جسے معروف محدث الشیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ حدیث ۱۸۷۱۔

[2] المستدرک، کتاب البیوع، باب اذا ظہر الزّنا والرّبا.... امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۴۰۲۔ معروف محقق علامہ شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو حدیث ۳۸۰۹ تخریج شاکر طبع دار المعارف۔ یہی حکم الشیخ الالبانی نے حدیث پر لگایا ہے۔ ملاحظہ ہو غایۃ المرام حدیث ۳۴۴۔

[3] صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الرّبا وموکلہ۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی آکل الرّبا۔ سنن الترمذی کتاب البیوع، باب ما جاء فی اکل الرّبا۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۳۰۴۔

پر، اور سودی معاملہ لکھنے والے پر۔ اور فرمایا: "یہ سب برابر ہیں"۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر وہ مسلمان اپنا چہرہ بآسانی دیکھ سکتا ہے جو خود سود کھاتا ہو، دوسروں کو کھلاتا ہو، ایسے کاروبار کی دلالی کرتا ہو یا ایسے بینکوں اور اداروں میں چاکری کرتا ہو جو سودی کاروبار کرتے ہیں یا بلڈنگ بنا کر کسی سودی ادارے کو کرایہ پر دیتا ہو یا کوئی بھی ایسی شکل جس میں سودی کاروبار کے ساتھ تعاون کی صورت نکلتی ہو۔

جب سود اتنی بڑی لعنت ہے تو اس کی کمائی کھانے والا آخر کس طرح قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی شدید سزا سے بچ سکتا ہے؟ سورت البقرۃ آیت ۲۷۵ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ "جو ایسی حرکت کرے گا وہ جہنمی ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام خوری پر پلنے والے گوشت کو آگ کا مستحق قرار دیا اور فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، النَّارُ أَوْلَى بِهِ[1]

"حرام خوری سے پیدا ہونے والا گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا۔ جہنم کی آگ اس کے لیے بہت زیادہ مناسب ہے"۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِحَرَامٍ"[2]

"وہ جسم جنت میں نہیں جا سکتا جس کی غذا حرام کی ہو"۔

سود سے بڑا حرام اور کیا ہو سکتا ہے؟ حرام خوری اتنی بڑی نحوست ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی

---

[1] المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمۃ، باب لا یدخل الجنۃ لحم نبت من سحت۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱۰۔ ص ۲۹۳۔

[2] مسند احمد، ج ۳ ص ۳۲۱ - و - ۳۹۹۔ المستدرک للحاکم، ج ۴، ص ۴۲۲۔ اسی معنی میں، صحیح ابن حبان، ج ۷، ص ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ امام ابن حبان، امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق حلال کی اہمیت اور حرام خوری کا نقصان ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ، اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِہِ الْمُرْسَلِیْنَ، فَقَالَ: یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔ وَقَالَ: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ۔[1]

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ذات پاکیزہ ہے اور وہ صرف پاکیزہ چیزیں قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے وہی حکم ایمان والوں کو دیا ہے فرمایا: اے رسولو! پاکیزہ کھاؤ اور نیک کام کرو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اور اسی طرح اہل ایمان سے فرمایا: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر فرمایا جو بڑا لمبا سفر کرتا ہے گرد و غبار میں اٹا ہوا پراگندہ حال ہے اور اسی حال میں (جو کہ دعا کی قبولیت کے لیے انتہائی مناسب حال ہے) آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے (اور دعا کرتے ہوئے کہتا ہے) کہ اے میرے رب اے میرے رب (میری فلاں فلاں دعا قبول فرما) لیکن اس کا کھانا حرام کا ہوتا ہے۔ پینا حرام کا، لباس حرام کا، اور وہ حرام پر ہی پلا ہوا ہوتا ہے، تو پھر آخر ایسے آدمی کی دعا کیونکر قبول ہو؟"

جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی آخرت کا خوف اور اللہ پر ایمان ہوگا وہ ضرور یہ بات سوچیں گے اور بار بار

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کل نوع من المعروف صدقۃ۔

سوچیں گے کہ ہم خود کیا کھا رہے ہیں؟ اپنی اولاد کو کیا کھلا رہے ہیں؟ اپنے زیر کفالت افراد پر کہاں سے خرچ کر رہے ہیں؟ اور کیا زیر کفالت افراد کا سکھ، چین، سہولتیں اور دنیاوی مقام و مرتبہ ہماری اپنی آخرت کے لیے تو کوئی خطرہ نہیں بن رہا ہے؟ رہے ایمان سے کورے، آخرت سے بے نیاز اللہ کے حضور پیش ہونے سے منکر لوگ تو وہ حقیقتاً انسان کے روپ میں حیوان ہیں، بلکہ بدترین حیوان۔ قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ سے ماخوذ ان واضح اور روشن دلائل کے بعد بھی وہ اپنی چال بدلنے والے نہیں ہیں۔ یہ عقل کے اندھے جان بوجھ کر جہنم کی آگ میں چھلانگ لگانا چاہتے ہیں۔ انہیں صرف لاٹھی کی دلیل سمجھ میں آتی ہے اور اسی سے ان کو سمجھایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اور ہماری آئندہ نسل کو حرام خوری اور بالخصوص سود کی تمام قسموں سے محفوظ رکھے۔ اور رزق حلال کمانے، کھانے اور زیر کفالت افراد کو حلال کھلانے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

بقیہ: الاخوان المسلمون

سے سختی سے روک دیا۔ جب شہید کی نعش پہرے میں گھر پہنچی تو کرفیو نافذ کر دیا گیا اور لوگوں کو جنازے میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ فوجیوں اور پولیس نے جنازہ پڑھنے اور کندھا دینے سے انکار کر دیا چنانچہ مجبور و بیکس بوڑھے باپ اور شہید کی بیٹیوں نے فرشتوں کے جلو میں یہ فرض ادا کیا۔ اس شان سے طاغوتی طاقتوں سے ٹکرانے والا حق کا نقیب دنیا سے گیا اور یوں باطل قوتوں کی آتشِ انتقام سرد ہوئی۔ سید قطبؒ لکھتے ہیں:

"۱۹۴۸ء میں مجھے وزارتِ تعلیم کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجا گیا تھا۔ میں اس وقت الاخوان کے بارے میں بہت معمولی واقفیت رکھتا تھا مگر جب ۱۹۴۹ء میں الاخوان کے بانی حسن البنا کو شہید کیا گیا تو میں یہ بات محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ تمام برطانوی اور امریکی اخبارات نے اس خبر کو بہت اہمیت دی ہے اور بظاہر افسوس مگر بباطن خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا ہے"۔

☆☆

رفتارِ کار

امیرِ تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورۂ کراچی اور تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماعِ رفقاء

امیر محترم ۱۷ جون کو کراچی تشریف لائے۔ آپکی آمد ساڑھے تین ماہ بعد ہوئی تھی۔ ۱۷ جون کا دن تو انفرادی ملاقاتوں میں گزرا' ۱۸ جون کی صبح آپ نے قرآن اکیڈمی کراچی میں عربی کلاس کا معائنہ کیا اور دفتر تشریف لے آئے۔ دفتر میں جن لوگوں نے ملاقات کا وقت لیا تھا ان سے مختلف مسائل پر گفتگو رہی۔

بعد نمازِ مغرب قرآن اکیڈمی میں رفقاءِ تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں تنظیموں کے امراء نے مختصراً اپنی کارکردگی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد امیر محترم نے رفقاء سے اظہارِ خیال کے لئے فرمایا۔ یہ اظہارِ خیال اس لئے بھی تھا کہ رفقاء کی سوچ کا اندازہ ہو سکے اور رفقاء کو سمجھنے میں' ان کا ذہن پڑھنے میں اور ان کی آراء معلوم کرنے میں مدد ملے۔ ہمارے رفقاء اظہارِ خیال سے کتراتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کی راہ میں جھجک حائل ہے اور وہ بولتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اس بات کی تائید تنظیم اسلامی کے امیر جناب اختر ندیم صاحب نے کی۔ انہوں نے اپنی بات پر زور دے کر کہا کہ رفقاء کو بولنے کی ترغیب دی جائے' جو بول نہیں سکتے وہ لکھ کر لے آئیں اور اسے پڑھیں' اسطرح حجاب آہستہ آہستہ دور ہو جائیگا۔ بعض رفقاء نے توجہ دلائی کہ ہمارے اندر رابطے کی کمی ہے' دوسرے رفقاء نے بھی اس کی تائید کی۔ اس کمی کو سبھی محسوس کر رہے ہیں' چنانچہ ہمیں ایسے پروگرام مرتب کرنے چاہئیں جس سے اس کمی کا ازالہ ہو سکے۔ رابطے کی کمی سے جذبہ بھی سرد پڑ جاتا ہے اور سستی بھی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک رفیق نے توجہ دلائی کہ کراچی میں جو بھی پروگرام ہو رہے ہیں وہ دعوتی نوعیت کے نہیں ہیں' ہر ماہ ایک جلسہ ضرور ہونا چاہیے۔ ایک رفیق نے کہا کہ دو بیعت کے تصور نے ہمارے اندر "اگی گروپ" کو جنم دیا ہے۔ ناظمِ حلقہ نے بھی اسطرف توجہ دلائی کہ ایسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔

رفقاء کے اس مختصر اظہارِ خیال کے بعد امیرِ محترم نے فرمایا کہ میرا کراچی آنا تو ہر دو ماہ بعد

ہو گا' البتہ میری خواہش ہے کہ ہر ماہ آل کراچی کی بنیاد پر ایک اجتماع ہونا چاہیے۔ میری آمد پر اکیڈمی میں رفقاء کو رات بسر کرنی چاہئے' آپس میں ملاقات سے رابطہ استوار کرنے میں بڑی مدد ملے گی' دعوت کے کام کو آگے بڑھانے اور اس سلسلے میں آپس میں مشورہ کرنے کے لئے وقت مل سکے گا۔ "ڈگی گروپ" کے سلسلے میں امیر محترم نے فرمایا کہ کسی تنظیم کے اندر گروپ بنانا ہر گز درست نہیں اور نہ اسکی اجازت دی جائیگی۔ ہمارے دستور میں گنجائش موجود ہے کہ جو لوگ بیعتِ سلوک کرنا چاہیں' کر سکتے ہیں' مگر بیعتِ تنظیم کی حیثیت فائق ہو گی۔ بیعتِ سلوک سے اگر ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو اس سے تحریک کے لئے جذبہ بڑھنا چاہیے' اگر ایسا نہیں ہے تو یہ محض فریبِ نفس ہے۔ ہمارا ہر ساتھی یہ جائزہ لے کہ اس کا تصورِ دین صحیح ہے کہ نہیں ؟ اگر صحیح ہے تو اس کے غلبے کے لئے وہ کیا کوشش کر رہا ہے ؟ آنے والے حالات سخت نظر آ رہے ہیں' بین الاقوامی سطح پر اور ملکی سطح پر بنیاد پرستوں پر کڑا وقت آنے والا ہے۔ بنیاد پرست صرف وہ ہیں جو دین کو نظامِ زندگی کی حیثیت سے نافذ کرنا چاہتے ہیں' ان کے لئے ابتلاء و آزمائش کا دور شروع ہوتا نظر آ رہا ہے۔ امریکہ احیائی تحریکوں سے خائف ہے' وہ مسلمان حکمرانوں کو اکسا رہا ہے کہ وہ بنیاد پرستوں سے نمٹیں۔ ہمارے ملک میں بھی جو صورت نظر آ رہی ہے وہ انتہائی خوفناک ہے۔ ایسے موقع پر ہمیں اپنے فکر کے ساتھ گہرا شعوری تعلق ہونا چاہیے۔ اگر ہم نے بھی مفاہمت اور مصالحت کا رویّہ اختیار کر لیا تو سوائے خسارے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لئے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ علماء اور صوفیاء کے دو طبقے ایسے رہے ہیں جنہوں نے حکمرانوں سے مفاہمت کی' اور آج بھی جن لوگوں کا تصورِ دین صرف مذہب تک محدود ہے وہ آسانی کے ساتھ ایڈ جسٹ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنا کام جاری رکھنا ہے' انقلاب آئے یا نہ آئے' ہماری منزل ہمارے سامنے رہے۔ دینی فرائض کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کرنا ہے اور اپنی زندگی اسی میں کھپانی ہے۔

امیرِ محترم نے کہا کہ حکومت پاکستان فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے بارے میں فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں چلی گئی ہے۔ پھر خواتین کی نشستوں کا اعلان اور اس کی منظوری جلد ہونے والی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت اور اپوزیشن میں آٹھویں ترمیم ختم کرنے پر کوئی اتفاق ہو گیا ہے۔ اسطرح شریعت کورٹ ختم کر کے راستہ صاف کر لیا جائیگا۔ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ کس کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ جماعت اسلامی کسی حد تک رکاوٹ بن سکتی تھی تو اسے بھی راستے سے الگ ہونے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ویسے جماعت اسلامی کی وہ بنیاد پرستی بھی آہستہ آہستہ تحلیل ہو چکی ہے'

سانپ کا زہر نکل چکا ہے' صرف پھوں پھاں باقی رہ گئی ہے۔

افغانستان کے مسئلے پر رفقاء کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تحریکوں کی ناکامی کے دو بڑے اسباب ہیں۔ پہلا یہ کہ دعوت کے کام کو ایک ضروری حد تک انجام دینے سے قبل ہتھیار اٹھا لئے جائیں۔ دوسرا یہ کہ ایک امیر کے تحت سمع و طاعت پر مبنی تنظیم کے بغیر اقدام کر دیا جائے۔ یہی افغانستان کا المیہ ہے۔

امیر محترم نے اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کراچی قدیم اور ڈیفنس کے علاقے پر مشتمل ایک تنظیم قائم ہو (واضح رہے کہ یہاں تنظیم نہیں' اسرے ہیں) اور ہمارے وہ رفقاء جو ابھی تک ملتزم نہیں بنے ہیں جلد از جلد ملتزم بنیں اور ذمہ داریاں سنبھالیں۔

تنظیم کے ایک رفیق کے والدِ محترم کی وفات پر ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور اسکے بعد یہ اجتماع ختم ہوا۔ (مرتب: نجیب صدیقی)

تنظیمِ اسلامی لانڈھی کورنگی کی دعوتی و تعلیمی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی لانڈھی کورنگی نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی مختلف سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اولاً اس کا ہدف ایک دفتر کا حصول تھا جو بحمداللہ پورا ہو گیا اور جس کا افتتاح بھی امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ کے دست مبارک سے ہوا۔ لیکن دفتر کھول لینے سے زیادہ اہم دفتر کا باقاعدہ استعمال تھا' جس کے لئے مقامی امیر انجینئر نوید احمد نے رفقاء کے مشورہ سے ایک دعوتی و تعلیمی پروگرام ترتیب دیا' تاکہ دفتر کو فی الواقع ایک مرکز کی حیثیت دی جائے۔ اور رفقاء و احباب کی یہاں آمد و رفت رہے اور ایک چلت پھرت نظر آئے۔

دعوتی سرگرمیوں کے تحت لانڈھی کورنگی میں مختلف مقامات پر دروسِ قرآن کی ہفتہ وار مجلسیں پہلے ہی باقاعدگی سے منعقد ہوتی ہیں۔ اب نئے پروگرام کے تحت درس قرآن کی ایک مرکزی محفل کا دفترِ تنظیم میں ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب منعقد ہونا طے پایا ہے۔ علاوہ ازیں تعلّم و تعلیمِ قرآن کے ایک جامع منصوبہ پر بھی عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے' جس کے تحت ہفتہ

میں دو روز تجوید القرآن کی کلاسیں بعد نماز مغرب منعقد ہوتی ہیں ۔اسی طرح بعد نماز عشاء عربی کلاس کا اجراء بھی کردیا گیا ہے ۔ عربی کی تدریس کے فرائض جناب جاوید عبداللہ صاحب ادا کرتے ہیں ' جس کے لئے انہیں ایک لمبے سفر کی اضافی مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے ۔ وہ اپنا فرض جس خوش اسلوبی سے ادا کررہے ہیں وہ سب کے لئے قابل تقلید ہے ۔ اللہ انہیں ثابت قدم رکھے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

تنظیم اسلامی کا اصل سرمایہ قرآن سے تعلق ہے ۔اس کے علاوہ انجمن خدام القرآن ہو یا تحریک خلافت ' سبھی کا بنیادی مقصد امت کو قرآن سے جوڑنا ہے۔ مسلمانوں کی عزت و سربلندی قرآن سے تعلق ہی میں مضمر ہے ۔ انجمن اور تنظیم کے زیر اہتمام مختلف تدریسی و دعوتی پروگرام اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم صرف دو وقت کی روٹی کمانا سکھاتا ہے اور اس کی پوری فکر صرف سامانِ زیست کے حصول تک محدود ہے ۔ آج معاشی تگ و دو نے آدمی کو کولہو کا بیل بنا دیا ہے' دن بھر کی مشقت کے بعد اوور ٹائم ہے یا پارٹ ٹائم ۔ تجارت پیشہ ہے تو رات گئے تک تجارتی رابطے ہیں ۔ البتہ جن افراد میں یہ احساس جاگزیں ہوجائے کہ وہ دینی علوم سے بے بہرہ رہے ہیں اور اس کمی کو پورا کرنے کا احساس رکھتے ہوں تو ان کے لئے ہمارے پروگرام تلافی مافات کے لئے نہایت ہی کارآمد ہیں اور توشہ آخرت بھی ہیں ۔

کچھ افراد میں سیکھنے کے ساتھ بیان کرنے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے ۔ اگر وہ قرآن کو سیکھ کر دوسروں تک پہنچانے کی بھی ہمت رکھتے ہوں تو ان کے لئے ایک کلاس " تدریسِ قرآنی کا اسلوب" کے عنوان سے ہر ہفتہ منعقد ہوتی ہے ' تاکہ وہ درس قرآن کی مشق کرسکیں اور قرآن کے مفاہیم و مطالب بیان کرسکیں ۔ اسی طرح مختلف دینی و علمی کتابوں کے اجتماعی مطالعہ کے لئے ایک اسٹڈی سرکل بھی قائم کیا گیا ہے جس میں مختلف موضوعات سے متعلق اہم کتب و رسائل کا مطالعہ کرایا جائے گا ۔

ان دعوتی و تعلیمی سرگرمیوں کو متعارف کرانے کے لئے مقامی سطح پر ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے' خصوصی ملاقاتیں کی گئیں اور عربی کلاس کے لئے علیحدہ سے پوسٹر بھی چسپاں کئے گئے ۔ ان سرگرمیوں کے پیش نظر اب دفتر کو دو حصوں میں منقسم کردیا گیا ہے۔ ایک حصہ میں کلاس روم ہے اور دوسرے حصے کو دفتری مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے ۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مساعی کو قبول فرمائے اور اپنے دین کو پھیلانے کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

(مرتب: رحیم کاشفی)

افکار و آراء

"کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ"

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر محبوب اے خواجہ (سعودی عربیہ)
ترجمہ: سردار اعوان

تصورات ہمارے ان عقائد' اقدار' نظریات اور نقوش کے آئینہ دار ہوتے ہیں جو دلوں میں جاگزیں ہوں۔ اہلِ نظر جو کچھ دیکھ کر اخذ کرتے ہیں وہ بیان کردیتے ہیں۔ پُرکشش تصورات محنت کے ذریعہ حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں اور زندگی کی چہل پہل برقرار رہتی ہے۔

تجارتی مقاصد میں پیش رفت کے لئے تصورات تیزی حاصل کئے جاتے ہیں۔ تصورات پیدا کرنا تخلیقی فن ہے اور انہیں رُوبہ عمل لانا مانی ہوئی تجارت ہے۔ ماہرین کسی بھی کام کے لئے تصور فراہم کرسکتے ہیں۔ افراد اور اقوام یکساں طور پر اپنے تصورات کی قیمت پانے کے لئے ایک دوسرے کو مات دینے میں سرگرداں ہیں۔ امریکی شہد' روسی بیلے' سوئس گھڑیاں' برطانیہ کی چائے اور شاعری' کشمیری شال' ایرانی قالین' عربوں کے علوم اور مہمان نوازی، غرضیکہ ہر ایک کی پشت پر ان کی اپنی لگن، اقدار اور تاریخ ہے۔

ایک قوم یا اس کے افراد کسی نظریہ اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ہی دنیا میں مقام و مرتبہ کے اہل قرار پاتے ہیں۔ مسلمان جب ان اصولوں پر کار بند تھے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں تو بطور ایک امت انہیں امتیاز حاصل تھا۔ اب قومیتوں اور حصّوں میں بٹ کر منتشر ہیں۔ اُن کے برعکس یورپی اور دوسری کئی اقوام پھر متحد ہو کر عروج حاصل کرچکی ہیں۔ مسلمان دانش ور تصادم اور تفرقہ کی تصویر بنے نظر آئیں گے۔ مسلمان آخر کس کام میں اس قدر مصروف ہیں جو انہیں اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ ایک ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے پر غور کریں۔ بیرونی نظریات اور طرزِ زندگی سے نجات نہ سہی اس کے خلاف زبان کھولنے کی بھی کسی میں جرأت نہیں۔ جن کے ذمہ معاشرہ کو نیکی اور سچائی کی راہ سجھانا تھا وہ پر تکلف کھانوں اور محلات کے چکروں میں پڑگئے' علم و حکمت کی جگہ کھانے کی میز پر گپ شپ نے لے لی اور کام کی وقعت نظروں سے اوجھل ہو کر سارا زور بحث و تمحیص پر رہ گیا۔ اب حال یہ ہے کہ بے بسی مسلمانوں کی علامت بن چکی ہے' جبکہ مسلمان اللہ کے لئے تھے' دنیا کی ہر شئے مسلمانوں کے لئے تھی۔

خود پیدا کردہ خلیجی بحران نے کہیں بھی مسلمانوں میں فکر و عمل کی صلاحیت باقی نہیں رہنے دی۔ ہر معاملہ میں دوسروں پر انحصار اور اپنے مسائل سے چشم پوشی ہمارا وطیرہ بن گیا ہے۔ بدر' اُحد اور احزاب کے معرکے کتابی باتیں ہو کر رہ گئی ہیں اور سکولوں کے بچے "صحرائی طوفان" (Desert Storm) کے وڈیوز دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں۔

ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے تعلیم حاصل کرنا لازم ہے۔ خوشحال گھرانے اپنے بچوں کو ملک سے باہر تعلیم دلواتے ہیں تاکہ کامیاب زندگی بسر کریں اور یہی طبقہ مسلمان ممالک میں سیاہ و سفید کا مالک ہے' مگر اس کے باوجود غیر ملکی ہی مہذب اور ان ہی کی مصنوعات اعلیٰ شمار ہوتی ہیں۔ ایک دہائی قبل عدی امین' عرفات اور قذافی کو اسلامی دنیا کے راہنماؤں میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اب صدام حسین کا نام خوش گپی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آئندہ نسل کو مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لئے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت سنسنی خیزی پیدا کی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے ایک دہشت گرد' اجڈ اور احمق معاشرہ کا تصور ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔ صیہونیت کے زیر اثر ذرائع ابلاغ کی پشت پناہی میں یہودی دہشت گردی اور جرائم "اجتماعی قربانی" (Holocaust) کے مظلومین کی "صلح جُوئی" شمار ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ مسخ کرنے اور عالمی امن و سلامتی کے لئے خطرہ پیدا کرنے کا یہ عمل جاری ہے۔

امن و امان برقرار رکھنا اقوامِ متحدہ کی ذمہ داری خیال کی جاتی ہے۔ اس عالمی ادارہ نے حال ہی میں بچوں کی بہبود اور نگہداشت کی قرار داد پاس کر کے خاصی تحسین حاصل کی ہے۔ عالمی امن و سلامتی کے لئے اقوامِ متحدہ کا کردار بہت سے مسلمان راہنماؤں کے نزدیک بھی قابلِ ستائش ہے۔ ترقی پذیر ممالک سے تعلق رکھنے والے طلباء کی طرف سے اقوامِ متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے ایک احتجاجی پوسٹر پر یہ عبارت درج ہے: "اقوامِ متحدہ۔ پانچ کا ٹولہ' دنیا کی بربادی" ایک دوسرے پوسٹر پر لکھا ہے: "فلسطین' کشمیر اور کردوں کے خلاف استعمال ہونے والی زہریلی گیس کے بارے میں قرار دادوں کا کیا ہوا؟" ایک صاحب نے دیکھ کر کہا: جب تمہارے روایتی دشمنوں کے خلاف زہریلی گیس استعمال کی گئی تھی اس وقت تم کیوں چپ تھے؟

مغربی اخبار نویس اور تبصرہ نگار روایتی مسلمانوں پر "بنیاد پرستی" کا لیبل چسپاں کر کے اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ سمارٹ نظر آنے والے مسلمان "بنیاد پرست" ہونے کا انکار کر کے روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہیں' جن کی تائید میں ذرائع ابلاغ بڑی ہوشیاری سے "بس یہی

ایک زندگی ہے" کا تصور عام کرنے اور صنعتی ممالک میں معاشرتی نظام کی خوبیاں بیان کرنے میں اپنا پورا زور لگا رہے ہیں۔ لوگوں کو ہر وقت ٹی وی 'فٹ بال' شراب' جنس اور ڈرائیونگ وغیرہ میں مصروف رکھو اور کسی کو ہوش ہی نہ آنے دو------ یہی ہتھکنڈے جوں کے توں ترقی پذیر ممالک اپنانے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں' جبکہ مغرب میں مادہ پرستانہ زندگی کا کھوکھلا پن نمایاں ہو کر سامنے آرہا ہے۔

عرب ممالک اور صنعتی ممالک کے درمیان فاصلہ کم کرنے اور ترقی کی مہم تیز کرنے کے لئے حال ہی میں کئی ارب ڈالر کے خرچ سے ایک عالمی نمائش کا اہتمام کیا گیا ہے' جس کا مقصد زندگی میں جاذبیت پیدا کرنا ہے۔ نمائش میں تکنیکی پیش رفت' خلائی مہمات' جدید طرزِ زندگی' خواتین کے ملبوسات' مکانوں کے ڈیزائن' صحت کی نگہداشت اور طرح طرح کے کھیلوں کے شعبے قائم کئے گئے ہیں۔ اس پُر ہجوم نمائش میں فٹ بال کے مقابلے سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہیں' اسٹیڈیم کے گیٹ پر ایک بوڑھا عرب بدو شائقین کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ہاتھ سے لکھا یہ پوسٹر لئے گم صم کھڑا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

ضرورت رشتہ

جاٹ خاندان کی دو بہنوں' ایم۔ اے (عربی) عمر ۲۵ سال اور بی۔ اے عمر ۲۳ سال' جو دین کی خدمت کا جذبہ رکھتی ہیں' کے لئے نیک اسلامی ذہن کے مالک پڑھے لکھے خاندان سے موزوں رشتے درکار ہیں ترجیحاً تنظیم اسلامی اور لاہور سے متعلق ہوں۔

رابطہ

ناظمہ حلقہ خواتین

K-۳۶' ماڈل ٹاؤن لاہور۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کر کے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں اَک کردم نہیں لینے دیتی، ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرطِ مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (21-92)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd No.L 73
VOL. 41 No. 7
JULY 1992